ماہنامہ

# قومی زبان

## انجمن ترقی اردو کا ترجمان



میر ناصر علی دہلوی

ان کے مضامین کا مجموعہ "مقامات ناصری" انجمن نے شائع کیا ہے۔

# ماہنامہ قومی زبان کراچی

نومبر ۱۹۶۹ء

جلد ۳۵ شمارہ ۵

| | |
|---|---|
| ایک پرچے کی قیمت | ایک روپیہ |
| سالانہ قیمت | دس روپے |

انجمن ترقی اردو پاکستان
بابائے اردو روڈ کراچی
ٹیلی فون ۲۳۲۷۸۴

# فہرست

## نومبر ۱۹۶۹ء


مخدوم محی الدین ——— وقار خلیل ——— ۳

اقامتی اردو کالج کے لیے عطیات ——— ۶

کربل کتھا کا زمانہ ——— ڈاکٹر انصار اللہ نظر ——— ۷

رسالوں کے غالب نمبر (۲) ——— ابو سلمان شاہجہاں پوری ——— ۳۱

گرد و پیش ——— ۴۷

برہان علی شاہ مخمور ——— تحسین سروری ——— ۵۲

نئے خزانے ——— ابو سلمان شاہجہاں پوری ——— ۸۳

تاریخ لطیف (۲) ——— اکبر علی خاں ——— ۱۰۳



مطبوعہ انجمن پریس، نزد شومارکیٹ لارنس روڈ - کراچی - رجسٹرڈ ایس نمبر ۱۱۳۸ - ادارۂ تحریر جمیل الدین عالی مشفق خواجہ

# مخدوم محی الدین

وقار خلیل

اردو کے بین الاقوامی شاعر اور ہندوستان کے ممتاز سیاسی رہنما، دکن کی محبوب اور ممتاز شخصیت مخدوم محی الدین کی بے وقت وفات نے وہ خلا پیدا کر دیا ہے کہ زبان بیان سے اور قلم تحریر سے قاصر ہے۔ مخدومؔ کی موت، ایک تہذیب اور ایک دور کی موت ہے۔ مخدوم ایسے سر آمد روزگار صدیوں میں جنم لیتے ہیں اور بعد ممات میں حیاتِ جاوید پاتے ہیں۔ مخدوم ایک نصب العین ایک تحریک اور ایک علامت ہیں۔ روشنی، جدوجہد خلوص اور وفا کی ایسی علامتیں مینارِ نور ہوتی ہیں اور نشان راہ کے طور پر ہر زمانے میں حیات اور حرکت کی پیغامبر بن کر ابھرتی ہیں۔

زندہ جاوید مخدومؔ کا پورا خاندانی نام ابو سید محمد مخدومؔ محی الدین عذری ہے۔ مشہور جمالی حضرت ابو سعید عذری مخدوم کے جدِ اعلیٰ تھے۔ آپ کی پیدائش ریاست حیدر آباد کے ضلع میدک کے تعلقہ اندول میں ہوئی۔ مخدومؔ کی والدہ کے کہنے کے مطابق جب موسیٰ ندی میں طغیانی (ستمبر ۱۹۰۸ء) آئی تھی اس وقت مخدوم کی عمر ۲ ماہ تھی۔ لیکن ہائی اسکول سرٹیفکٹ کے لحاظ سے ان کا سنہ پیدائش سنہ ۱۹۱۰ء ہے۔

مخدومؔ کے پردادا' مخدوم محی الدین صاحب مکہ مسجد حیدر آباد کے قاری اور بہت اچھے پیراک تھے۔ مخدوم کا خاندان استادوں، پیراکوں، قاریوں، خطاطوں اور مذہب پرستوں کا خاندان رہا ہے۔ جسے آج بھی تلنگانہ میں "پیلا پنتلو" (اچھے پنڈت) کا گھرانا کہا جاتا ہے۔ مخدومؔ کے والد جناب غوث محی الدین تعلقہ اندول میں اہلکار تحصیل تھے۔ مخدوم چار سال کے تھے کہ والد صاحب اللہ کو پیارے ہوگئے اور ان کی پرورش ان کے چچا بشیر الدین صاحب کی سرپرستی میں ہوئی۔

مخدوم کی تربیت سخت مذہبی ماحول میں ہوئی، وہ ابتداً پابند نماز بھی رہے اور عرصے تک عصر اور مغرب کے درمیان "ختم خواجگان" بھی پڑھا۔ اسکے علاوہ مسجد میں جاروب کشی کرنا بھی مخدوم کے فرائض میں داخل تھا۔

ان کی ابتدائی تعلیم قرآن مجید اور سعدی کی گلستان اور بوستان سے شروع ہوئی۔ انکے پہلے استاد انکے دادا تھے مکتبی تعلیم اندول کے علاوہ حیدر آباد کے دھرم ونت ہائی اسکول میں پائی اور سنگار یڈی ہائی اسکول سے مخدومؔ نے سنہ ۱۹۲۹ء میں میٹرک کامیاب کیا۔ ان کے چچا چاہتے تھے کہ یہ مولوی بنیں۔ چنانچہ۔ مدرسہ شبینہ چیلا پورہ حیدر آباد سے مخدوم نے منشی کا امتحان پاس کر لیا۔

۱۹۱۷ء کے روسی انقلاب کے بارے میں مخدوم نے بچپن میں جو باتیں گھریلو ماحول میں اخبار سے پڑھیں اور جب انھیں گھر والوں نے یہ بھی بتادیا کہ روس میں انقلاب کے بعد وہاں مساوات قائم ہوگئی ہے اور سب لوگ ایک دستر خوان پر مل کر کھانا کھاتے ہیں تو اس کا مخدوم کے دل پر بڑا گہرا اثر ہوا۔ اور یہیں سے انکے دل و دماغ میں اشتراکیت نے جگہ بنانی شروع کی۔

۱۹۲۹ء میں مخدوم نے عثمانیہ یونیورسٹی کی فضا میں رونق اور چہل پہل پیدا کی ۱۹۳۷ء میں مخدوم نے ایم اے کیا، وہ جامعہ عثمانیہ میں بیحد مقبول اور بیحد ممتاز رہے۔ مخدوم نے کئی ڈرامے لکھے اور انھیں اسٹیج بھی کیا، خود بھی اداکاری کے جوہر دکھا کر بڑے بڑوں سے دھاک منوالی۔ مخدوم کو بحیثیت اداکار گرودیو رابندر ناتھ ٹیگور، حضور نظام میر عثمان علی خاں سروجنی نائیڈو، مولانا شوکت علی، خواجہ حسن نظامی مہاراجا کشن پرشاد اور سر اکبر حیدری نے دیکھا اور بیحد داد دی۔ ٹیگور نے ان کی صلاحیتوں کو تاڑ لیا تھا اور انھیں شانتی نکیتن آنے کی بھی دعوت دی تھی۔ مخدوم نے جامعہ عثمانیہ کے نامی گرامی اساتذہ سے استفادہ کیا تھا۔ ان کا مطالعہ نہایت وسیع تھا۔ شاعری کا آغاز ۱۹۳۳ء کے قریب ہوا انکی پہلی نظم "پیلا دوشالہ" تھی اس نظم کی شانِ نزول یہ ہے کہ ایک صاحب جو جامعہ میں نئے نئے داخل ہوئے تھے اپنے سینیر طالب علموں کو حسب روایت پارٹی دینا نہیں چاہتے تھے اور جوابی کارروائی کے طور پر مخدوم اور ان کے ساتھیوں نے ان کا محبوب پیلا دوشالہ غائب کردیا مخدوم کی نظم پیلا دوشالہ اسی شال کے کھوئے جانے کا مزاحیہ مرثیہ" ہے۔

۱۹۳۳ء میں مخدوم کی شادی ہوئی۔ دو لڑکے اور ایک صاحبزادی ان کی اولادیں ہیں، خدا ان سبھوں کو صحت اور عمر و اقبال عطا فرمائے اور ان کی بیگم صاحبہ کو تادیر سلامت رکھے۔ ۱۹۳۶ء میں مخدوم نے حیدرآباد میں ترقی پسند مصنفین کی انجمن قائم کی، اس کے جلسے سروجنی نائیڈو کے بنگلے میں ہوتے تھے۔ مخدوم کا شمار اردو کے ایشیائی ترقی پسند شاعروں میں ہوتا ہے۔ اور یہ صف اول میں اپنے فکر و فن نظریات اور عقائد کے سب سے بڑے اور عظیم ترقی پسند شاعر ہیں۔ فیض، ندیم اور جعفری سے بھی ہر لحاظ سے مخدوم "اے ون پروگریسو پوئٹ" ہیں۔

۱۹۳۰ء میں اپنی طالب علمی کے زمانے ہی میں مخدوم نے پنڈت نہرو سے ملاقات کی تھی اور نہرو کی زندگی کے آخر میں مخدوم نے انھیں اپنا کلام سنا کر متاثر کیا تھا۔ نہرو کی وفات پر مخدوم نے جو نظم لکھی تھی اسکی مثال ہماری شاعری میں نہیں مل سکتی ۱۹۳۰ء میں مخدوم نے سیواگرام احمدآباد میں مہاتما گاندھی سے ملاقات کی تھی۔ اور اپنی شاہکار نظم مسافر سنائی تھی۔ اسی سال ان کا تقرر سٹی کالج میں استاد اردو کی حیثیت سے ہوا اور دو سال تک لیکچرار رہے روز افزوں بڑھتی ہوئی سیاسی مصروفیات کے سبب ۱۹۴۱ء میں مخدوم نے استعفا دیدیا اور عملی سیاست میں قدم رکھا ۱۹۴۷ء میں ریلوے ٹریڈ یونین کے بانی اور بٹن فیکٹری کے ورکرس کے ہڑتال کروانے والے سربراہ کی حیثیت سے حکومت نے انھیں باغی قرار دے کر گرفتار کرلیا مخدوم نے کئی بار جیل کی صعوبتیں جھیلیں اور قید و بند کی تکالیف اٹھائیں مگر ہر بار ان کا

حوصلہ اور عزم مضبوط اور مستحکم ہوتا گیا۔ ۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۱ء تک روپوش رہے اور اس زمانے میں حیدرآباد میں کمیونسٹ تحریک تلنگانہ اندولن نے اتنا زور پکڑا کہ اس کی شہرت دور دراز کے ملکوں تک ہوگئی۔ ۱۹۴۸ء میں حیدرآباد کا انڈین یونین میں انضمام عمل میں آیا۔ لیکن زمیندارانہ نظام کے خلاف تلنگانہ کے کسانوں کی جدوجہد میں کمی نہیں ہوئی اور روپوشی کے بعد جب مخدوم حیدرآباد آئے تو انھیں مارچ ۱۹۵۱ء میں پھر گرفتار کر لیا گیا اور الیکشن سے کچھ عرصے پہلے رہا کر دیا گیا۔ ۱۹۵۲ء کے انتخابات میں وہ اسمبلی کے کمیونسٹ رکن چنے گئے۔ ۱۹۵۶ء سے وہ آندھرا پردیش قانون ساز کونسل کے قائد حزب اختلاف رہے اور کونسل سے لیکر شہر اور بیرون شہر تک میں اپنی ٹھوس اور مبنی بر حقیقت تقریروں سے برسر اقتدار سرکار کے ظلم و ناانصافی کے خلاف بے باکانہ اور مجاہدانہ آواز اٹھائی۔ مخدوم نے زندگی کے کسی حصے میں مفاہمت اور سمجھوتے بازی سے کام نہیں لیا ان کی زندگی غریبوں اور محنت کش طبقوں کی بھلائی کے لیے گزری۔

مخدوم کو اعلا تعلیم، ارباب کمال کے ماحول اور وسیع مطالعے کے ساتھ ساتھ ان کی فطری صلاحیتوں نے خوب خوب چمکایا اور ہیرا بنا دیا۔ وہ اجنتا کے نقش کی طرح خوبصورت تھے۔ شاعر اور عوامی رہنما کی حیثیت سے جیسے جیسے مخدوم کی قامت بلند ہوتی گئی ان کے اعلا کردار میں بھی پختگی آتی گئی۔ ان کے قول اور فعل میں کہیں تضاد نہیں تھا، بے غرضی اور اعلا ظرفی کا وہ سچا نمونہ تھے۔ وہ نئے حیدرآباد کی تہذیب اور زندگی کا ستھرا اور نمایندہ نقش تھے اور ملک کی کئی ٹریڈ یونینوں کے سربراہ۔

امن عالم اور دنیا کے مزدوروں کی عالمگیر تحریک ورلڈ فیڈریشن آف ٹریڈ یونین کی بین الاقوامی کانفرنس میں مخدوم نے ہندوستان کے نمایندے کی حیثیت سے روس ایشیا اور افریقہ، مشرقی اور مغربی یورپ کے کئی ممالک کا دورہ کیا۔ مخدوم کی شاعری اور ان کی سیاسی رہنمائی کا ایشیا کے بڑے بڑے ملکوں میں ذکر ہوتا ہے اور یہ ذکر ہوتا ہی رہے گا۔ مخدوم کی نظموں کے ترجمے بیرونی زبانوں میں کئی بار ہو چکے ہیں۔ مخدوم کی تین نثری کتابیں۔ ہوش کے ناخن (ڈراما) ۱۹۳۴ء ٹیگور اور ان کی شاعری ۱۹۳۵ء اور سویٹ یونین کی بالشویک پارٹی کی تاریخ نامی کتاب کے جدلیاتی باب کا ترجمہ مطبوعہ ۱۹۳۵ء مشہور ہیں۔ شعری مجموعوں میں سرخ سویرا ۱۹۴۴ء اور گل تر ۱۹۶۱ء میں اور بساط رقص ۱۹۶۶ء میں چھپ چکے ہیں۔ مخدوم کی شاعری اور ادبی خدمات کے اعتراف کے لیے دسمبر ۱۹۶۶ء میں شایان شان طریقے پر جشن مخدوم منعقد کیا گیا تھا۔ جس کی یادیں ابھی تک ہمارے دلوں میں جھلکتی ہیں۔ ۱۹۶۵ء میں جامعہ عثمانیہ کے ہونہار اور جواں سال ادیب داؤد اشرف نے مخدوم کی شخصیت اور فن پر ایم۔ اے کے لیے اپنا تحقیقی مقالہ لکھا تھا جو شایع ہو چکا ہے۔ ۲۵ اگست ۱۹۶۹ء حرکت قلب بند ہو جانے سے ہمارا محبوب شاعر مخدوم گزر گیا۔ لیکن مخدوم اپنی شخصیت اور فکر و فن کی عظمتوں کی وجہ سے زندۂ جاوید رہے گا۔

بزم سے دور وہ گاتا رہا تنہا تنہا
سو گیا ساز پہ سر رکھ کے سحر سے پہلے

# زیرِ تعمیر اقامتی اردو کالج کے لیے عطیات

اب تک زیرِ تعمیر اقامتی اردو کالج کے لیے تین لاکھ چھیتر ہزار پانچ سو تریپن روپے دو پیسے وصول ہو چکے ہیں، گزشتہ دنوں جو رقمیں موصول ہوئی ہیں، اُن کی تفصیل یہ ہے -

## عطیّات :-

جناب چودھری خورشید انور
فیلڈ افسر ایسٹرن فیڈرل یونین انشورنس ———— ایک ہزار آٹھ سو تریپن روپے
ڈاڈا سوپ فیکٹری ———— پانچ سو روپے
طلبہ گورنمنٹ کالج ملتان (جناب
سیّد رفاقت علی جعفری کے ذریعے) ———— دو سو باسٹھ روپے

## رسیدوں کی فروخت :-

جناب اکرام الرحمان ———— دس روپے

# کربل کتھا کا زمانہ

ڈاکٹر محمد انصار اللہ

فضل علی فضلی کی کتاب "کربل کتھا"[1] کے متعلق یہ دعویٰ کیا گیا ہے۔

"اس وقت تک اس سے پہلے کی دہلوی نثر کی کوئی کتاب دستیاب نہیں ہوئی"[2]

اور اس خیال کے مطابق اس کا "لسانی تجزیہ"[3] بھی کیا گیا ہے لیکن اس قسم کا دعویٰ کرنے سے پہلے کتاب کے زمانۂ تصنیف اور مخطوطے کے سال کتابت کا تعین بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ مطبوعہ "کربل کتھا" کی کیفیت سے متعلق "ہماری زبان" علی گڑھ کے یکم مئی ۱۹۶۹ء کے شمارے میں میرا ایک مختصر مضمون شائع ہو چکا ہے۔ زیر نظر مضمون میں کتاب کے زمانے سے متعلق بعض امور زیر بحث لائے جائیں گے۔ کتاب کے فاضل مرتبین نے ایک سے زیادہ مقامات پر اس قسم کے جملے لکھے ہیں۔

"فضلی[4] نے لامیہ اشعار کی ایک بیت درج کی ہے۔۔۔۔"

"آدم[5] پر الف لام فضلی کا اضافہ ہے"

"فضلی[6] کے زمانے میں اردو لکھنے کا رواج نہ ہونے کے برابر تھا۔۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ۔۔۔۔ ایک ہی لفظ مختلف طریقوں پر لکھا ہوا ملتا ہے"

اس قسم کے جملوں سے یہ غلط فہمی ہوئی کہ کتاب کا مخطوطہ خود فضلی کے ہاتھ کا ہے اور اسی بنیاد پر یہ خیال بھی

---

[1] "کربل کتھا" مرتبہ کردہ مالک رام و مختار الدین مطبوعہ دیال پرنٹنگ پریس دہلی۔ اکتوبر ۱۹۶۵ء

[2] ایضاً ص ۲۰　　[4] ایضاً ص ۳ بر حاشیہ　　[5] ایضاً ص ۴۰

[3] "کربل کتھا کا لسانیاتی تجزیہ" از ڈاکٹر گوپی چند نارنگ مشمولہ سہ ماہی "اردو" کراچی بابت اپریل ۱۹۶۸ء اس سلسلے میں میرا مضمون "میر علی اوسط رشک کا مسلک تحریر" بھی ملاحظہ فرمائیں۔

کر لیا گیا ہے کہ کتاب کی زبان، تحریر اور الفاظ کا املا بھی عہدِ فضلی کا ہے۔ چنانچہ کتاب کے لسانیاتی تجزیے[۱] میں بھی عجیب و غریب غلطیاں ہوئی ہیں۔ مثلاً ایک بحث یہ ہے:۔

"اردو کی معکوسی آوازیں تین ہیں ٹ، ڈ، ڑ۔۔۔ اردو میں انھیں ظاہر کرنے کے لئے شروع میں کچھ دقّت کا سامنا رہا۔ اور طرزِ املا میں بتدریج تبدیلی ہوتی رہی۔ کربل کتھا کے قلمی نسخے میں انھیں تین نقطوں (نقطوں؟) سے ظاہر کیا گیا ہے چھوٹے "ط" کا اس میں کہیں وجود نہیں یہ غالباً وسط اٹھارھویں صدی کے بعد کا ارتقا ہے۔ کربل کتھا کی زبان چونکہ دہلی کے لسانی سنگم سے تعلق رکھتی ہے اس میں دونوں اطراف کے اثرات کی تانک (کذا) جھانک دیکھی جاسکتی ہے۔

"ڑ، ر ـــ دانت میرے توڑے (ص ۴۳)

ٹ، ت ـــ پہلے چپاتی تھی تجھے (ص ۱۳۲)

ڈ، ڈ ـــ بوڈھا (۱۶۷) بوڈھیا (۷۶) ہاڈول (۱۴۶)"

مرتبین نے مخطوطے کے تین صفحوں کا عکس بھی کتاب میں شامل کیا ہے۔۔ ان میں ہمیں کسی ایک لفظ میں بھی 'ٹ' کی جگہ 'ت'، 'ڈ' کی جگہ 'د' یا 'ڑ' کی جگہ 'ر' لکھا ہوا نہیں ملتا۔ جن صفحات سے اقتباس بالا میں مثالیں دی گئی ہیں ان کا عکس میرے پیش نظر نہیں اس لئے یہ کہنا کہ مخطوطے میں کہیں وہ صورت واقعی ملتی ہے مشکل ہے۔ مخطوطے سے ہم جو کچھ سمجھتے ہیں یہ ہے کہ اس کی کتابت اس زمانے میں ہوئی جب 'ٹ'، 'ڈ'، اور 'ڑ' کو جداگانہ حروف کی حیثیت حاصل ہو چکی تھی، البتہ "ط" کے بجائے ان حروف پر دو نقطے اور ایک مختصر خط [ یا غالباً مختصر 'ط'؟ ۔ عکس میں شکل واضح نہیں ہے ] بناتے تھے۔

یہ بات کہ اردو میں 'ٹ'، 'ڈ' اور 'ڑ' کی جداگانہ حیثیت اٹھارویں صدی کے وسط (۱۷۵۰ء/۱۱۶۴ھ) بیشتر وہ تھے جن کا تعلق فارسی سے تھا اور وہ غالباً ان آوازوں کی ادائیگی پر عموماً قادر نہ تھے چنانچہ اس عہد کے شعرا کا کلام شاہد ہے کہ وہ 'پڑی' کو 'پری'، 'گھڑی' کو 'گری'، 'کڑی' کو 'کری'، وغیرہ بولتے، نظم کرتے اور لکھتے تھے قزلباش خاں امید کا قطعہ مشہور ہے ؎

---

[۱] غالباً کتاب میں شامل عکس میں ان حروف کی صورت بہت واضح نہ ہونے کے سبب ڈاکٹر نارنگ صاحب کو ایسا خیال گزرا لیکن مجھے اس امر کے تسلیم کرنے میں بہت تامل ہے کہ ان تین حروف پر کسی زمانے میں بھی تین نقطے لگائے گئے ہوں گے۔ وجہ یہ کہ اس صورت میں ث اور ٹ سے انھیں تمیز کرنے والی کوئی چیز نہ تھی۔ یہ ضرور ہے کہ لبا اوقات دو نقطوں کو ملا کر ایک چھوٹے خط (ڈیش) کی صورت بنا دیتے تھے اس طرح، ت۔ ڈ ڑ

بانازِ حورِ دحسن ملک جلوہ پری　　　بامن کی بیتی ایک مری آنکھ میں پری

جن آوازوں کی ادائیگی پر عام طور پر قدرت نہ رہی ہو ان کے ضبط تحریر میں لانے جانے کا بھی سوال نہیں تھا - چنانچہ عہد محمد شاہی کے صاحب دیوان شاعر فائز دہلوی کے دیوان کے خطی نسخے کا تعارف کراتے ہوئے پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب لکھتے ہیں -

"ٹ ط ، ڈ ، ڑ کو ہمیشہ ت ، د ، ر لکھا ہے"

یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ کلیات سنہ ۱۱۴۲ھ (مطابق سنہ ۳۰-۱۷۲۹ء) میں مکمل ہوا لیکن مخطوطے کی کتابت کے زمانے کے متعلق کوئی بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی - ہاں یہ ضرور ہے کہ کتابت تکمیل کے بعد ہی کسی زمانے میں ہوئی ہوگی -

غالباً احمد علی یکتا نے پہلی مرتبہ ٹ، ڈ اور ڑ کا الگ حرف کی حیثیت سے ذکر کیا ہے :

" بالجملہ مخصص و ممیز حروف ثلثہ ہندی در رسم خط صورت

---

۵ہ　مقدمہ دیوان فائز مطبوعہ نظامی پریس لکھنؤ طبع دوم سنہ ۱۹۶۵ء ص ۱۴۷

۶ہ　مقدمہ دستور الفصاحت مرتبہ مولانا امتیاز علی خاں عرشی مطبوعہ ہندستان پریس رامپور سنہ ۱۹۴۳ء ص ۱۱ یکتا کی فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے معاملات سے واقفیت کے لئے قرائن موجود ہیں۔ اس کا امکان ہے کہ یہ صورت بھی ان کے سامنے وہیں سے آئی ہو -

"ہماری زبان" مورخہ ۲۲ جون سنہ ۱۹۶۲ء میں دور آفریدی صاحب نے "اردو املا اور چند تجاویز" کے زیر عنوان اردو کے حروف تہجی کی تعداد وغیرہ سے بحث کی ہے فرماتے ہیں :-

ماہرین اردو املا نے ان حروف تہجی میں ہندی سے ٹ، ڈ، ڑ کا اضافہ کیا... پہلے چار نقطے لگا کر ... یہ ٹ تھی اس شکل کو اردو کی پرانی کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے ۔ بعد کو اس کے اوپر اور نیچے کے نقطے حذف کر دیئے گئے اور اس کی شکل اس طرح ٹ کی ہو گئی - یہ بھی کتابت پر بار ہوئی تو ماہرین اردو املا نے اس کے اوپر ایک چھوٹی سی ط کا استعمال شروع کیا جو آج تک اس طرح ٹ، ڈ اور ڑ میں رائج ہے "

لیکن مراسلے میں یہ نہ بتایا گیا کہ "ماہرین اردو املا" کون تھے اور بتدریج ان حروف کی شکلوں میں یہ تبدیلی کس کس زمانے میں ہوئی - اس سلسلے میں ابھی تحقیق ہونی ہے - میر علی اوسط رشک کے دیوان [مطبوعہ ۶۳-۱۲۶۲ھ] سے ایک اور شکل کا پتہ چلتا ہے اس طرح ٹ ، ڈ ، ڑ

اس کی طرف بھی مراسلے میں کوئی اشارہ نہیں ہے -

طای حطّی[1] است کہ بر سر ہر یک در کتابت مفردہ می نگارند تا ثقیلہ بفوقانی و مہملتین بڈال وڑای ہندی مشابہ نشوند وقاری را بغلط نیفگنند"

لیکن وہ یہ بھی لکھتے ہیں :-

"و ٹای ہندی وڈال[2] ہندی وڑای ہندی، ایں ہر سہ را گاہی بہ ثقیلہ وگاہی بہ ہندی تعبیر کنند و یعنی ایں حروف را بکلمات ابجد تفرقہ می نمایند"

اس طرح زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انیسویں[3] صدی کے عشرۂ دوم سے پہلے اردو والے ان آوازوں کی ادائیگی پر قادر ہو چکے تھے اور غالباً انھوں نے اٹھارویں صدی عیسوی کے خاتمے تک ان کو عربی حروف پر چار نقطوں [یا دو نقطوں اور ایک مختصر خط] کے ساتھ اور کلکتے میں انیسویں صدی کے عشرۂ اول میں مختصر ط کے ساتھ لکھنا شروع کر دیا تھا۔ لکھنؤ اور دہلی میں اس صورت کا رواج غالباً اور بعد میں ہوا تھا۔ اس طرح کربل کتھا کے مخطوطے کی کتابت کا زمانہ ظاہرا انیسویں صدی کے شروع سے پہلے کا نہیں ہو سکتا۔

کربل کتھا کا اگر بغور مطالعہ کریں تو بعض الفاظ کے املا سے بھی اس کے زمانہ کتابت کا کسی قدر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً

پانو (ص ۷۷)، پاؤں (۸۶)

یہ لفظ انیسویں صدی[4] کے ربع اول میں تین طرح لکھا جاتا تھا۔ یعنی پانو، پانوں، پاؤں۔

وہ (۱۵۵) وو (۱۷۱)

یہ لفظ بھی تین طرح رائج تھا، وہ، وے، وو۔

اسی طرح پرﮈھ یا پڑھو کو پڑہ، پڈہ لکھنے کی مثالیں ملتی ہیں۔

---

[1] یکتا کی اس تحریر سے گمان یہی ہوتا ہے کہ شاید اس کا اشارہ ان حروف کی اس صورت کی طرف ہو: ٹ، ڈ، ڑ اور یہ صورت تیرہویں صدی ہجری کے عشرۂ ششم تک بھی مل جاتی ہے۔

[2] دستور الفصاحت ص ۱۲

[3] دستور الفصاحت پہلی مرتبہ ۱۲۳۰ھ (مطابق ۱۸۱۵ء) میں مکمل ہوئی۔ مذکورہ قیاس اس صورت میں ہے اگر ہم یہ تسلیم کریں کہ اسی زمانے میں مصنف نے یہ مقدمہ بھی لکھ دیا تھا۔ بصورت دیگر یہ بات اور بعد از زمانہ نظر ثانی (سنہ ۱۲۶۹ھ) کی ہو گی۔

[4] میری معلومات کی حد تک صورت حال یہ ہے کہ میر علی اوسط رشک نے اس لفظ کا تلفظ اور املا "پاؤں" متعین کیا اور یہی صورت بعد میں رائج ہوئی البتہ مرزا غالب "پانو" لکھتے رہے چنانچہ ان کے دیوان میں ایسا ہی ہے۔

اس سلسلے میں کریم الدین کی کتابیں مجالستہ العالاہ اور گلدستۂ نازنیناں مطبوعہ ۱۸۴۵ء فی الوقت میرے پیش نظر ہیں۔ کربل کتھا کے املا کے سلسلے میں جو عرض کیا گیا اس کی بنیاد مرتبین کے بیان پر ہے۔ ان مثالوں سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کربل کتھا میں نسبتاً زیادہ ترقی یافتہ املا ملتا ہے۔

اردو میں حروف تہجی سے متعلق مسائل و نکات کی طرف عام طور پر توجہ نہیں کی گئی ہے۔ چنانچہ بعض نئے حروف کے وجود میں آنے (مثلاً ٹ، ڈ، ڑ، بھ، پھ، تھ، ٹھ وغیرہ)، قدیم حروف کی شکلوں میں تبدیلی (مثلاً ے، ہ وغیرہ) اور ان کے محل استعمال سے متعلق کوئی قابل ذکر تحقیق نہیں ہو سکی ہے۔ اسی طرح الفاظ کے املا کے سلسلے میں بھی ابھی تک بہت کم کام ہوا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہم کو اس سلسلے میں اکثر دقت بھی ہوتی ہے اور بسا اوقات ہم نے دھوکے بھی کھائے ہیں۔ مثلاً کربل کتھا کے لسانیاتی تجزیہ میں یہ ذکر ہے :-

"اردو میں لبی آواز سے ن کا نہیں م کا وصل ہو سکتا ہے . . . کربل کتھا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں لفظ تھام کون اور ب سے لکھتے تھے ؛ تھانب۔ بعد میں ب حذف ہو گیا اور صوتی مناسبت کے لحاظ سے نون (تھام ؟) کو م سے لکھا جانے لگا۔ لفظ تمباکو اب م سے لکھا جاتا ہے۔ لیکن کربل کتھا کے زمانے میں یہ بھی نون سے مستعمل تھا۔"

صحیح یہ ہے کہ لمبا کو لنبا، تمباکو کو تنباکو، تھاما کو تھانبا انیسویں صدی کے وسط تک لکھتے رہے ہیں چنانچہ میر علی اوسط رشکؔ کے مطبوعہ دیوان میں اس کی مثالیں ملتی ہیں :-

وہ بہادر ہیں جو رکھتے ہیں ید طولائے فیض ہاتھ لنبے ہونے سے پہچانتے ہیں سور کو

اس کے علاوہ میر علی اوسط رشکؔ کے لغت میں ایک سے زائد الفاظ کا املا اس طور پر لکھا ہوا ہے چند یہ ہیں :

انبیا بمعنی انبہ خام (نفس اللغۃ ص ۲۳) - تنبو بروزن ہرسو (ایضاً ص ۱۴۱)

تنباکو فارسی است (ایضاً ص ۱۴۱) تنبیلا بمعنی گندمی (ایضاً ص ۱۴۱)

تانبا بمعنی مس (ایضاً ص ۱۳۲) - تانبچون بمعنی ریزۂ مس (ص ۱۳۳)

ان میں سے متعدد لفظوں کا املا آج بھی یہی ہے چنانچہ لکھنؤ کے مشہور تاجر احمد حسین دلدار حسین[1] کی دوکان کے سائن بورڈ پر بھی تمباکو کو نون ہی سے لکھا ہے۔

اس طرح اتنی بات بخوبی ظاہر ہے کہ الفاظ زیر بحث کا وہ املا عہد محمد شاہی کی خصوصیت

---

[1] اس اطلاع کے لئے میں جناب شریف الحسن بلگرامی کا شکر گزار ہوں

ہے اور نہ ایسی کوئی بات ہے جسے کربل کتھا کی زبان کا امتیاز سمجھا جاسکے۔ یہی حال اکثر ان امور کا ہے جن کو کربل کتھا کی لسانیاتی خصوصیت سمجھا اور کہا گیا ہے۔ دراصل اس قسم کی بحثوں سے پہلے حروف، املا اور رسم تحریر کے سلسلے میں کافی تحقیق ضروری ہے اور اس طرف سے ہم ابھی تک بڑی حد تک غفلت برت رہے ہیں۔

کربل کتھا کے فاضل مرتبین نے کتابت کے سلسلے کے اکثر امکانات کو غالباً نگاہ میں نہیں رکھا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض ایسی باتیں بھی قلم سے نکل گئی ہیں جو غلط فہمی کا سبب ہوئیں۔ مثلاً فضلی کی عربی اور فارسی سے واقفیت کی بابت ہے کہ:

"وہ عربی سے اس حد تک ضرور واقف ہیں کہ اسے پڑھ اور سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن جب اسے خود لکھنے کی کوشش کرتے ہیں تو نتیجہ ہمیشہ خاطر خواہ نہیں نکلتا۔ مثلاً کتاب کی ابتدا میں فاتحوں کے عنوانات کی عربی قواعد کے لحاظ سے غلط ہے"

جن لوگوں نے قدیم مخطوطات کا مطالعہ کیا ہے ان سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اکثر کاتب عبارتوں (نثر و نظم دونوں) میں اپنی طرف سے عنوانات قائم کر دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں جب ظاہرا کربل کتھا کے اس مخطوطے کی کتابت مصنف کے انتقال کے کافی عرصے کے بعد ہوئی تھی۔ اس کا امکان زیادہ ہے۔ یہ نہ ہو تو بھی سہو کتابت کی تو بہرحال گنجائش ہے۔

اسی طرح بعض اعتراضات یہ ہیں۔

"کنت نبیا والادم۔ الخ یہی نہیں کہ یہ حدیث کے صحیح متن سے مختلف ہے بلکہ اس لحاظ سے بھی غلط ہے کہ آدم پر الف لام لانا صحیح نہیں۔۔۔۔ ایک اور جگہ لکھا ہے صدق یا رسول اللہ یہ محل صدقت یا رسول اللہ کا ہے۔ روضۃ الشہدا میں تھا السلام علیک وعلی جدک وابیک وامک، فضلی نے خیال کیا: جب سب ہی کے لیے سلامتی کی دعا کی جا رہی ہے تو امام حسن کو بھی کیوں نہ شامل کر لیا جائے چنانچہ انھوں نے واخوک، کا اپنی طرف سے اضافہ کر دیا۔ عربی قاعدے کی رو سے یہاں واخیک ہونا چاہیے"

دعویٰ میں یہ قطعیت محل نظر ہے، بغیر کسی ثبوت کے ان تمام امور کو مصنف سے منسوب کر دینا کسی طرح مناسب نہیں تھا خصوصاً اس وقت جب کہ خود مرتبین کو اس بات کا بھی یقین ہے کہ اس نسخے میں کسی دوسرے شخص کے قلم کی بھی بعض اصلاحات ہیں چنانچہ ذیل کی مثالوں سے ظاہر ہے۔

"وہ تین مقامات پر داد اکا لفظ قلمزد کر کے کسی نے نانا بنا دیا ہے۔۔ دو مختلف مقامات پر شعر آتے ہیں:۔

بعد ازیں از برائے ظل الہ　　　بادشاہ بہادر احمد شاہ

یا ز بہر قیام ظل الہ　　　بادشاہ بہادر احمد شاہ

انہی بزرگوں نے دونوں جگہ اصلاح دیکر مصرع ثانی اس طرح کردیا۔

بادشاہ بہادر محمد شاہ

مصرع ناموزوں ہوتا ہے تو ان کی بلا سے، بے شک ہوتا رہے۔ انھوں نے تو صرف یہ دیکھا کہ دیباچہ کتاب کی نظم و نثر میں[۱] ہر جگہ محمد شاہ کا ذکر ہے یہاں احمد شاہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے چنانچہ بیک جنبش قلم احمد شاہ کو بدل کر محمد شاہ کردیا[۲]

عین ممکن ہے کہ اسی نوعیت کی تصحیح کسی نادان نے اس نسخے میں کردی ہو جس کی نقل وہ مخطوطہ ہے جو مرتبین کو دستیاب ہوا ہے یا خود کاتب نے اپنے طور پر متن کی "اصلاح" کی ہو۔ ان قراین کو نظر انداز کر کے مصنف پر اعتراض جڑ دینا انصاف نہیں ہے۔

نسخے کی کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"قیاس یہ ہے کہ کربل کتھا کا یہ مخطوطہ کم از کم تین صاحبوں کے پاس رہا ہے۔ ان میں سے ایک نے کتاب شروع ہونے سے پہلے سادہ اوراق میں سے ایک پر فارسی کے پانچ شعر جو منقبتِ ائمہ معصومین میں ہیں نقل کیے ہیں۔ یہ صاحب یقیناً شیعیان علی میں سے ہوں گے اور دو تین مقامات پر جو ایک آدھ لفظ کی تصحیح درج ہے خیال ہے کہ یہ بھی انھوں نے ہی کی ہوگی۔ کیونکہ سواد خط اور روشنائی میں بہت مماثلت ہے"

یہاں بھی مرتبین کا "یقین" محل نظر ہے۔ اگرچہ وہ پانچ شعر ہمارے سامنے نہیں ہیں لیکن ان پانچ شعروں سے کسی کے عقیدے کا تعین تا وقتیکہ ان میں کوئی واضح اعتراف نہ ہو مشکل ہی ہے۔ حضرت علی تمام کلمہ گو مسلمانوں کے لئے محترم ہیں۔ اس کے علاوہ تمام دوسرے مذہب و مسلک کے لوگوں کے لئے آپکے ارشادات اور آپ کی سیرت قابل ستائش ہی نہیں لائق تقلید بھی ہے۔ اکثر ہندو شعرا کے کلام میں بھی حضرت کی

---

[۱] کتاب میں صرف ایک جگہ محمد شاہ کا نام آیا ہے۔ یہاں لفظ "ہر" کا استعمال محل نظر ہے۔

[۲] یہ بات قابل ذکر ہے کہ خود مرتبین نے ان اشعار کے متن میں "محمد شاہ" ہی لکھا تھا۔ بعد میں کسی "ذریعہ" سے غلطی کا احساس ہوا تو تصحیحات کے تحت اسے درست کیا۔ لطیفہ یہ کہ مرتبین نے اس غلطی کے لئے تاویل بھی پیش کی تھی (محمد شاہ سے) وزن درست نہیں۔ اصل میں احمد شاہ تھا بعد کو اسے محمد شاہ بنایا گیا۔ قصباتی محمد شاہ بولتے ہیں (ص ۱۰)" کاتب نسخہ نے احمد شاہ لکھا تھا کسی نے اسے محمد شاہ بنا دیا۔ جس سے وزن غیر منقسم ہو گیا۔ ہاں اسے محمد شاہ پڑھا جائے جو عوام کی زبان ہے۔ تو مصرع موزوں ہو جائے گا۔ (ص ۱۷)
یہ تاویل بجائے خود صحیح نہیں تھی قصباتی محمّد شاہ نہیں مَمّد شاہ (میم مشدد) بولتے ہیں۔

منقبت میں اشعار ملتے ہیں۔

کربل کتھا کا اردو دنیا میں باقاعدہ تعارف پہلی مرتبہ مولوی کریم الدین[1] نے کرایا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:-

"فضل علی نام تخلص فضلی محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں وہ موجود تھا۔ اس نے ایک کتاب دہ مجلس اردو زبان میں قدما کے محاورات پر لکھی ہے وہ خود کہتا ہے کہ ان ایام میں میری عمر بائیس برس کی تھی۔ اس کتاب کا نام اس نے کربل کتھا رکھا ہے"

اس تحریر کے متعلق مرتبین نے جو حکم لگایا ہے یہ ہے:-

"کتاب کا صحیح نام کربل کتھا ہے نہ کہ دہ مجلس، کریم الدین نے اس کا نام دہ مجلس اپنی طرف سے لکھا اور غلط لکھا کیونکہ اس میں مجلسیں دس نہیں بارہ ہیں۔ بعد کے ناقلوں نے کریم الدین کی تقلید میں اسے دہ مجلس کہا اور انھوں نے بھی غلطی کی"

کریم الدین کی تحریر میں کتاب کا نام صراحت کے ساتھ مذکور ہے اس کے باوجود اس اعتراض کی وجہ سمجھ میں نہ آئی۔ اگر محض "دہ مجلس" لکھنے پر اعتراض کرنا مقصود تھا تو خود مرتبین کے پیش نظر جو مخطوطہ ہے اس پر بھی یہ عبارت درج ہے:-

*173 h. the Tragical his of the death of Hosayn and his relations in prose and verse by Fadhly, who flourished under Mohd Shah - m. 8.*

*The sacred hist. of the Shyiates in ten lectures in hindustany intended to be read in the first ten venings of Muharram.*

غالباً حقیقت یہ ہو کہ اس نوعیت کی کتابوں کو اصطلاحاً "دہ مجلس" کہتے رہے ہوں ورنہ کریم الدین کے لئے خواہ مخواہ اس کتاب کو "دہ مجلس" کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی خصوصاً اس وقت جب کہ ان کے علم میں یہ بات بھی تھی کہ د۔

---

[1] ملاحظہ ہو تذکرہ طبقات شعرائے ہند مطبوعہ مطبع العلوم مدرسہ دہلی ۱۸۴۸ء

"یہ رسالہ مسعودہ او پر بارہ مجلس اور ایک خاتمہ کے ہے" (طبقات شعرائے ہند ص ۶۱)

اس موقع پر یہ ذکر بھی نامناسب نہیں ہے کہ مطبوعہ کربل کتھا میں "بارہ مجلس اور ایک خاتمہ" کے علاوہ دو "فاتحات" بھی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ مصنف نے کتاب میں بعد میں اضافے بھی کئے۔ اس کا امکان ہے کہ شروع میں اس کا مقصد صرف "دہ مجلس" کی تالیف تک محدود رہا ہو۔ اس کام سے فرصت پانے کے بعد اس نے دو فصلوں کا اضافہ کیا ہو۔ پھر خاتمے کی پانچ فصلیں اور شروع کی فاتحات تصنیف کی ہوں اور نسخہ کریم الدین میں کہیں اس امر کا اشارہ بھی رہا ہو جس کی بنیاد پر انھوں نے بھی بے تکلف اسے "دہ مجلس" لکھ دیا ہو۔ ممکن ہے کہ اضافوں کا یہ سلسلہ کتاب کی دوسری تاریخ کہنے کے بہت بعد تک جاری رہا ہو۔ دوسری تاریخ کہنے کے بعد بھی کتاب میں ترمیم و اضافہ کرتے رہنا معمول کے خلاف ہرگز نہیں ہے، چنانچہ کربل کتھا کے متعلق یہ حکم لگا دینا کہ اس میں جو تاریخ مندرج ہے اس کے بعد اضافہ و ترمیم نہیں ہوئی لازماً صحیح نہیں ہوگا۔ اس گفتگو کے بعد کربل کتھا کے اس نسخے کی کیفیت کا بیان بھی مناسب ہے جو مرتبین کے پیش نظر تھا۔ انھیں کے الفاظ ہیں:۔

یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ نسخہ انھیں (اشپرنگر کو) مولوی کریم الدین سے ملا۔ مولوی کریم الدین ان کے ممنون احسان تھے ..... ناممکن ہے کہ اشپرنگر نے کریم الدین کے پاس کربل کتھا کا اہم اور نادر نسخہ دیکھ کر اشتیاق ظاہر کیا ہو اور اس پر کریم الدین نے اسے ان کی نذر کر دیا ہو۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ تذکرے کی تالیف ۱۸۴۷ء سے قبل وہ اسے اشپرنگر کو دے چکے تھے۔ غرض اس طرح یہ نسخہ جرمنی پہنچا۔"

اس موقع پر بھی "یقین" اور "ناممکن" وغیرہ الفاظ کا استعمال دیدنی ہے۔ غالب کا مشہور مصرع

اپنے پہ کر رہا ہوں گماں اہل دہر کا

بے ساختہ یاد آتا ہے۔ نادر نسخے کو دیکھ کر اشتیاق ہونا اور بات ہے اور "مانگ لینا" اور بات ہے۔ بہر نوع اگر اشپرنگر نے مانگ ہی لیا تھا تو اس کی آسان تر صورت یہ بھی تھی کہ کتاب کی نقل تیار کرا کر کریم الدین ان کی نذر کر سکتے تھے۔ یہ طریقہ کم از کم اس زمانے تک تو رائج تھا ہی۔

"یقین" کہ کریم الدین نے اصل کتاب اشپرنگر کی نذر کر دی تھی غالباً اس بنا پر ہے کہ تذکرہ میں انھوں نے یہ لکھا ہے:۔

"اس کتاب کو تمام میں نے دیکھا ہے۔ وہ میرے پاس موجود تھی"

محض اس لفظ "تھی" پر "یقین" کی وہ عمارت تعمیر کرنا قابل لحاظ ہے۔ اپنے تذکرے میں کریم الدین نے کتاب کے صفحے نقل کر دیئے ہیں اور اس دعوے کے ساتھ کہ

"سبب تصنیف اس کتاب کا جو اس نے بیان کیا ہے بعینہٖ اس کی عبارت بے کم و کاست لکھتا ہوں"

کتاب اگر کریم الدین کے پاس نہ تھی تو انھوں نے یہ بعینہٖ عبارت کہاں سے لکھی ہوگی۔ محض حافظے سے لکھنا تو قرین قیاس کم ہے۔ ظاہراً اسی کا امکان زیادہ ہے[۲] کہ کتاب ان کے[۱] پیش نظر تھی۔ کریم الدین نے جو عبارت نقل کی ہے اس کا مطبوعہ کتاب کے متن سے مقابلہ اس سلسلے میں اہمیت رکھتا ہے چنانچہ درج ذیل ہے۔

---

[۱] اس مسئلے کی طرف سب سے پہلے استاذی ڈاکٹر محمود الٰہی صاحب نے اپنے مضمون "کچھ کربل کتھا کے بارے میں"، مشمولہ "ہماری زبان"، مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۹۶۵ء میں توجہ دلائی تھی فرماتے ہیں:۔

"صورت حال یہ ہے کہ مرتبین کا یہ یقین اور یہ گمان غالب ان کے درجۂ غلو پر پہنچے ہوئے حسن ظن کے علاوہ اور کچھ نہیں، مولوی کریم الدین کا نسخہ اشپرنگر کے نسخے سے مختلف تھا۔۔۔ اگر مرتبین کو ان (نسخوں کے) اختلافات کا علم تھا اور اس کے باوجود انھیں اپنے یقین اور گمان غالب پر اصرار تھا تو مقدمہ میں اس کی توجیہ کی گنجائش تھی۔ گنجائش آج بھی ہے کیونکہ ابھی ایک غلط دعوے کی بنیاد استوار نہیں ہوئی ہے۔۔۔ کربل کتھا کے ایک ایسے نسخے کے سہارے جس میں کوئی ترقیمہ نہ ہو اور جس کی قدامت اور ثقاہت ثابت کرنے کے لئے قوی شہادتیں نہ ہوں کریم الدین کے بیانات اعتماد کے ساتھ رد نہیں کئے جاسکتے"

یکم جنوری ۱۹۶۶ء کے "ہماری زبان" میں ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب نے اس کا جواب دینے کی کوشش کی ہے اور فرمایا کہ "ہمیں اپنی رائے پر بالکل اصرار نہیں" یہ بات سمجھ میں نہ آسکی کہ یقین اور مبہم اعلان یقین بھی اگر "اصرار" نہیں تو کیا ہے۔ بہرحال ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کے اس مراسلے کے بعد استاذی ڈاکٹر محمود الٰہی صاحب نے ایک مختصر مراسلہ ۲۲ جنوری کو شائع کیا اس میں لکھا کہ:۔

"اس سے بڑے ثبوت کی اور کیا ضرورت ہے کہ کریم الدین کے پاس جو نسخہ تھا اس میں" بارہ مجلس اور ایک خاتمہ تھا جب کہ مطبوعہ نسخے میں" ایک مقدمہ اور بارہ مجلس اور ایک خاتمے" کا ذکر ہے دوسرے الفاظ میں کریم الدین کے نسخے سے "مقدمہ" غیر حاضر تھا جس سے یہ شک بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ نسخہ اشپرنگر میں جو مقدمہ ہے وہ الحاقی ہے۔۔۔ میں اس شخص کا قول نقل کر رہا ہوں جس کی زبان سے دنیا نے پہلی بار کربل کتھا کا نام سنا۔ مرتبین کی معلومات کا ماخذ و منبع ایک ایسا نسخہ ہے جس کے بارے میں وہ یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ اس کی کتابت طبقات شعرائے ہند کی اشاعت سے پہلے ہوئی تھی یا اس کے بعد" اس کا جواب مرتبین کی طرف سے کچھ بھی نہ آیا۔

[۲] یہ بات خلاف قیاس نہیں ہے کہ کریم الدین نے یہ اقتباس اپنے مسلک تحریر کے مطابق نقل کیا ہوگا اسلیے یہاں انکی کتاب سے نقل کرتے ہوئے انکے مسلک تحریر کی پابندی بہت اہم نہ تھی البتہ کربل کتھا کے مطبوعہ متن کو نقل کرتے ہوئے کوشش کی ہے کہ املا اور تلفظ سے متعلق اہم نزاکتوں کو نظر انداز نہ ہونے دیا جائے۔

## متن مطابق طبقات شعرائے ہند

قبلۂ حقیقی اور کعبۂ تحقیقی میرے نواب مستطاب معلی القاب اعنی نواب بابا ام نواب شرف علی خاں سلمہ اللہ الملک المنان ہر سال تعزیہ ابو عبداللہ الحسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بخلوص نیت اندرونِ محل مخفی بموجب حدیث شریف کہ

التقیۃ دینی و دین آبائی والتقیۃ جنۃ بوجہ

احسن بجالاتا تھا اور بندۂ حقیر پر تقصیر حسب الارشاد اس قبلہ گاہ کے روضۃ الشہدا کا خلاصہ کہ سب نکتہ سنجان مناقب شاہ لافتی نے اور سب دقیقہ فہمان مصائب سیدالشہدا نے واقعہ شہادت شاہ کربلا کا اس میں لکھا ہے سناتا تھا لیکن معنی اس کے عورتوں کی سمجھ میں نہ آتے تھے اور فقرات پر سوز و گداز اس کتاب مذکورہ کے بہ سبب لغات فارسی ان کو نہ رُلاتے تھے۔ اکثر اوقات بعد کتاب خانی (کذا) سب یہ مذکور کرتیں کہ صد حیف و صد ہزار افسوس جو ہم کم نصیب عبارت فارسی نہیں سمجھتے۔ اور رونے (کے) ثواب سے بے نصیب رہتے رہیں۔ ایسا کوئی صاحب شعور ہووے کہ کسی طرح من و عن ہمیں سمجھا وے اور ہم سے بے سمجھوں کو سمجھا کر رلاوے مجھ احقر احقر کو خاطر میں گذرا کہ اگر ترجمہ اس کتاب کا بہ رنگینی عبارات اور حسن استعارات ہندی قریب الفہم ہر مومنین و مومنات کیجیے تو بموجب اس کلام با نظام کے من بکا علی الحسین او تباکا وجبت لہ الجنۃ (ص ۵۷)

## مطبوعہ متن

قبلۂ حقیقی اور کعبۂ تحقیقی میرا نواب مستطاب معلی القاب شرافت مآب نجابت نصاب خورشید جناب ہلال رکاب امارت مرتبت شجاعت منزلت سخاوت مکرمت۔ نظم

وجودش دُرِّ دریائے فضائل — کفش گوہر فشاں بر فرق سائل
سپہر جود را خورشید انور — بباغ فضل سرو سایہ گستر
امین دولت و خان زمانہ — بحسن خلق در عالم فسانہ
افضل پرور عالی مناصب — فضیلت گستر وافر مناقب
مساند زیب فضل و عز و تمکیں — مقاصد بخش ارباب مساکیں

اعنی نواب بابا ام نواب شرف علی خاں سلمہ اللہ الملک المنان شرف قدرہٗ و شرح صدرہٗ

شرف کو ل قدر اس کی سے شرافت
علی کی اس کے او پر نت عنایت۔

غلام بے مقدار چہاردہ معصوم رہنما کا اور تعزیہ دار سیدالشہدا کربلا کا کہ حق تعالیٰ تصدق سر ناحق بریدہ امام حسین مظلوم کے اوسے ایمان عطا کرے اور سایہ بلند پایہ اس غلام دوازدہ امام کا مجھ عاصی وہی کے سر پر سلامت رکھے۔ ہر سال تعزیہ حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ الصلوٰۃ ... بموجب ....

حسب الارشاد اوس قبلہ گاہ کے خلص روضۃ الشہدا کا کہ سب نکتہ سنجان .... سوناتا تھا لیکن معانی اس کے نساء و عورات کی سمجھ میں نہ آتے تھے... ان کو نہ رولاتے تھے ... بعد کتاب خوانی (کذا) کے سب یہ

بڑا صواب (کذا) لیجیے ۔ ترجمہ
[ جو شخص رویا اوپر حسینؑ کے یا جس نے رلایا
اوروں کو اس کے واسطے جنت واجب ہو گئی ]
کیونکہ اس فایدہ سبحانی اور مایدہ ربانی سے
زن و مرد اور پیر و جوان خواندہ و ناخواندہ
اور خورد و کلاں کو بہرہ فاضل اور نصیبہ کامل ہووے
اور ہر ایک بے خبر اس درد پر سوز اور اس خبر
غم اندوز کو سن کر اور سمجھ کر رووے ۔

پھر دل میں یہ گذرا کہ ایسے کام کوں عقل
چاہیئے کامل اور مدد کسو طرف کی ہووے شامل
کیونکہ بے تائید صمدی اور بے مدد جناب احمدی
یہ شکل صورت پذیر نہ ہووے اور گوہر مراد
رشتۂ امید میں نہ آوے ۔ لہٰذا پیش ازیں کوئی
اس صنعت کا نہیں ہوا مخترع اور اب تک ترجمہ
فارسی بعبارت ہندی نثر نہیں ہوا مستمع پس
اس اندیشۂ عمیق میں غوطہ کھایا اور بیابان تامل و
تدبیر میں سرگشتہ ہوا لیکن راہ مقصود کی نہ پائی ۔

ناگاہ نسیم عنایت الٰہی گلشن افکار پر
اہتزاز میں آ یہ بات آئینۂ خاطر مو بہ دکھلائی کہ
یہ فکر عظیم بغیر امداد ارواح مقدس حسین علیہ السلام
حسب خواہش محبوبوں کے سرانجام نہ پاوے چوں
ذکر حسنین علیہما السلام کی مدد کا ذہن نشین ہوا
دو ہیں دل کو تقویت ہوئی بہ خاطر میں گذرا کہ قادر
حقیقی اور خالق تحقیقی نے ذات انسانی کو ایسی قدرت

مذکور کرتی کہ صد حیف ... رونے کے ثواب سے
بے نصیب رہتی .... برنگینیٔ عبارت و حسن ... کہ
من بکا علی الحسین ... بڑا ثواب با صواب لیجیے
کیونکہ اس فائدۂ سبحانی سے اور اس مادۂ زبانی
(کذا) سے زن و مرد ... خبر غم اندوز کوں
سن کر ... پھر ... ایسے کام کرام کوں ...
صمدی و بے مدد .... مشکل صورت پذیر ....
آوے و لہٰذا ..... اب تک ترجمہ فارسی بہ عبارت
ہندی نہیں ہوئے مستمع ... اندیشۂ عمیق میں
سر بہ گریبانِ تفکر ڈال دریائے اندوہ تحیر میں غوطہ
کھایا اور بیابان تامل اور تدبیر میں .....
راہ کعبۂ مقصود ...........
....... الٰہی گلشن انکار پر اہتزاز (کذا)
میں آ .... مونہہ دکھلائی کہ یہ .... ارواح
مقدس حسنین علیہما السلام حسب الخواہش
محبوں کے سرانجام .........
وو ہیں دل کوں تقویت ہو پھر .. ..
.. .. .. .. انسانی کوں ..
.. قدرت و کرامت .. .. ..
کوں .. .. .. ..
کوں .. .. .. ..
.. .. .. من اللہ تعالیٰ ..
.. .. کوں .. .. ..
موافق دہر .. .. .. کوں ..

کرامت کی ہے کہ جیسے کام پر طبیعت اور توجہ کو
معروف رکھے۔ البتہ معطل و موقوف نہ رہے اور
انصرام کو پہنچے۔ اے دل بحکم

السعی منی والاتمام من اللہ

اس سعادت عظمیٰ اور اس عبادت کبریٰ کو خاطر امید
میں موافق دہر اور اس بیابان فصاحت وبلاغت کو
ساتھ تائید عنایات صمدی کے طے کر اور بمقتضائے حدیث

الدال علی الخیر کفاعلہ

امید صواب (کذا) دھر ایک رات بعد کتاب
خوانی اور سیتر نی کے ایک فاتحہ مخفی اس کام بانظام
کے لئے بھی پڑھا وہ ہیں برکت اور میمنت فاتحہ
سے مجھ بیدل کے دل کوں ایک انشراح اور انفتاح
ظاہر ہوا پھر ساتھ (ص ۵۸) نظر تامل اور تفکر کے مطالعہ

لاتتحرک ذرۃ الا باذن اللہ

کا کر سو گیا۔

میں اسی رات واقعہ میں دیکھتا ہوں کہ گویا
ایک طرف بمعہ اخوان ذی شان و دوستاں بہتر از
جان سیر کو جاتا ما بین راہ کے ایک شخص اجنبی نے کہا
کہ اول روضۂ مقدس حسنین علیہما السلام کی
زیارت کر جا۔ میں بخواہش اتم اور بخوشی
اکمل اس روضۂ منوّر میں گیا۔ دیکھتا ہوں
کہ عمارت باہدایت اس مکان لطیف کی بعینہٖ مانند
عمارت حضرت قدم شریف کے کی ہے اور متصل دیوار
کے دو قبریں نہایت ملیں ہوئیں باہم چوں قافیہ د

موافق دہر۔ - - - - - -
- - - - - - - -
... امید ثواب دھر .. - - - -
- - - - - - - - -
- - دو نہیں - - - - - -
- - - - - - - - -
- - - - - - - - -
- - - - - - - - -
- - - - - - - - -
- - - - - - - - -
- - - .. - کوں - - -
- - - - - روضۂ مقدسہ
حضرت حسنین .. - - بہ خواہش
.. - روضۂ منورہ میں گیا دیکھتا ہوں
کہ ... .. مکان نظیف کے بعینہ مانند
... . قدم شریف ہے - - -
- - - - - - - سبز ہے
اور ایک - - .. - -
- مینے (کذا) .. .. سرہانے طرف بیٹھ -
- - .. دو نہیں .. - -
- - - - - - - -
.. - - - - - - ترو تازہ
- - دو نہیں .. - -
.. .. .. .. ..
.. - - - - -

ردلیف ہے ایک بالشت بھر سرہانے کی طرف سبز ہے ایک اسی دستور سرخ - میں نے بہ ادب تمام اور بصداق تمام فاتحہ پڑھ سرہانے کی طرف بیٹھ کر مناقب شروع کیا۔ جوں مجھے وہ معراج بلند حاصل ہوا اور ہیں میری فلک چشمان سے رونا نازل ہوا - یکایک ان مرقدوں سے دو دستہ نرگس کے بنہایت تر تازہ نکلے لیکن میں مناقب وہیں پڑھتا اور روتا رہا کہ دو دستہ اور نکلے تب میں نے یہ دعا مانگی کہ یا امامین علیہما السلام ایک دستہ اور عنایت ہووے کہ میرا صدق دل مجھ پر ثابت ہوئے کیونکہ میں پنجتن کا خادم ہوں معن (کذا) مانگتے اس دعا کے ایک دستہ اور ترو تازہ نکلا -

حاصل الامر میں تا شام اس درگاہ ملک بارگاہ میں رہا اور دل میں کہا کہ اے فضلی تو ایسی جناب مستطاب اور ملجاء و مآب عالم و عالمیان سے کہاں جاتا ہے اور پھر اپنے تئیں چاہ دنیا میں پھنساتا ہے یہیں رہ اور مت جا - اس قصد کو مصمم کر رہیں رہا یکایک بعنایت ایزدی اور بہدایت صمدی ایک جوان ریش و بیروت آغاز انھی قبروں سے نکلا ایک حیا کہ رنگ اس کا مجھے یاد نہیں اوڑھے ہوئے دونو قبروں پر سوار مجھے خبر نہ تھی کہ وہاں کے خادموں نے کہا اے فضلی دوڑ کہ حضرت امام حسین یہی ہیں - یہ سنتے ہی لبشادی تمام دست و پاگم دوڑا دیکھا اس جمال جہاں آرا کو کہ مانند مہر منور اور ماہ انور کے (ص ۵۹) برج روضہ مقدس

ہووے - - معن -
- - تر و تازہ - ..
- - ادسی - - -
.. - دل میں کہا اے فضلی - ..
- - - - ..
- اور پھیر .. - ..
- - وہیں .. -
- ایزدی بہدایت - -
- - اون ہی .. ..
.. - دونوں .. -
.. - فضلی دوڑو .. -
- - امام حسین علیہ السلام بیٹھے ہیں میں
یہ سونتے ہی ... دست و پاگم کر دوڑا ....
کوں کہ ... روضہ مقدسہ کوں روشن
- .. اشک و صدف .. . -
.. .. پر بہتے ہیں - - کوں -
- - حق تعالیٰ نے میری - -
- .. پیشانی ان قدمان مبارک پر ملی لیکن
باعث رونے کا کیا .. - .. - یہ
کہتا تھا اور تصدق ہو آنکھیں انجا مبارک
تلووں میں ملتا تھا کہ ایک مرتبہ .. - -
- ساتھ کا آکہا بھائی - - .. -
- سونا کہ گھوڑا آگیا خوش ہو اسے -
.. - - - ..

کو روشن کئے ہوئے بیٹھے رہتے ہیں اور گوہر غلطاں اشک مدت رخسار ابدار پر بہیں رہیں ملی دیکھتے ہی اس جمال با کمال کو تصدق ہو قدموں پر گر کر یہ التماس کیا کہ یا حضرت حق تعالیٰ میری یہ مراد دی جو پیشانی کو ان قدموں مبارک پر ملی لاکن باعث رونے اور مجھ سے نہ بولنے کا کیا۔ یہ کہتا تھا اور آنکھیں اپنی تلوؤں[1] ملتا تھا کہ ایک مرتبہ ایک شخص میرے ہی ساتھ کا آیا اس نے کہا کہ بھائی اور آشنا تمھارے سب سوار ہو گیے اور تم اب تک یہیں بیٹھے رہے بلکہ تمھاری سواری کا گھوڑا بھی گیا جب میں نے سنا کہ گھوڑا گیا خوش ہوا اسے جواب دیا کہ بھلا ہوا گیا لیکن میں تو یہاں سے نہ گیا ہوں نہ جاؤں گا غلامی اس جناب کی قبولی کی یہیں کماؤں گا تب آپ زبان اعجاز بیان سے فرمائے اب تو جا پھر آئیو میں نے بہانہ کیا کہ یا حضرت اب تو سواری میری کا گھوڑا بھی گیا اور میں تو یہ قدم چھوڑ نہ جاؤں گا پھر زبان مبارک سے ارشاد کیا کہ باہر ایک پالکی سبز دھری ہے اس پر سوار ہو کر جا پھر عدول حکم نہ کر سکا۔ اور عرض کیا کہ یا حضرت اگر پھر آؤں تو تحفہ شہر سے واسطے نثار کے کیا لاؤں حکم ہوا کئی روپیہ اور ایک کپڑا اجھالردار ایک کپی تیل کی اور ایک پوڑی مسی کی۔ تصدق ہو۔ آداب رخصت بجالایا باہر گیا اور اسی پالکی پر سوار ہو چلا وو ہیں آنکھ میری کھل گئی۔ دیکھتا ہوں کہ وقت نماز ہے

اس کتاب کی تصنیف کی تاریخ مصنف نے یوں لکھی ہے

یہ جو نسخہ ہوا ہے اب تصنیف　　بہر کسب ثواب و فیض بشر

.. - - - -

- - ایب توتوں جا .. -

.. - - - -

- .. - .. -

.. - - - -

- - - اگر پھیر آؤں -

.. - - واسطے نیاز کے -

- .. حکم ہوا کئی ایک روپیے -

... اور ایک کوپی .. .. ..

- دو نہیں .. - -

۔ سرو تمم بالخیر و علی اللہ توکلت فی جمیع اموری و ہو حسبی و نعم الوکیل ۔

تمت سبب الکتاب (ص ۴۶)

---

[1] یہ لفظ "تلا" اور "تلوا" دونوں طرح استعمال ہوا ہے بظاہر "تلا" قدیم تر ہے اور بعد میں اس کو "تلوا" کہا گیا جو آج بھی رائج ہے۔ کریم الدین نے مطبوعہ متن کے برخلاف پہلی صورت کو اختیار کیا ہے وہ "تلوؤں" کی جگہ "تلوں" لکھتا ہے یہ بات بجائے خود قابل لحاظ ہے ۔

| | |
|---|---|
| بجاہا تاریخ اس کی بوئے نُرش شیعوں کی نجات کا مظہر | تاریخ کی بھی قید کہ کس سن ہجری میں<br>تصنیف یہ کتاب ہوئی بے مثال ہے |
| اور اب کے نظر ثانی کر بکیفیت و کیفیت مضامین<br>وہندی اصطلاحات و استعارات رنگین اصلاح دیا<br>اس تاریخ نے صفحہ دل پر جلوہ دیا ۔ | یعنی جس ایام میں کہ مسودہ اس نسخہ متبرکہ کا تصنیف<br>ہوا مصنف یہ تاریخ ہجریہ نبویہ حاصل کیا۔<br>.. .. .. .. .. .. .. .. |
| ہر کس از من کند بہ نیکی یاد بجہاں نامش ہم بہ نیکی باد<br>۱۱۶۱ | .. اوس کی بولا سرورش شیعوں .. .. ..<br>اور اب کہ .. .. .. وہندی اصطلاحات (کذا)<br>و استعارات رنگین .. .. ..<br>.. .. .. .. .. .. جلوہ کیا<br>.. .. .. .. .. .. .. ..<br>.. .. .. .. .. .. .. .. |

مولوی کریم الدین اس کے بعد لکھتے ہیں کہ! "اس جائے تک مصنف کے کلام تمام ہوتے انہوں نے کربل کتھا سے فضلی کا ایک مرثیہ بھی نقل کیا ہے: چند شعر جو اس نے شہادت امام قاسم[1] کے بیان میں لکھے ہیں سو لکھتا ہوں وہ کہتا ہے کہ:

| | |
|---|---|
| اس وقت ماں بین کر روتی تھی اور دلہن چیخ مار کہتی تھی: | آہ یوں ہیں ماں بین کر روتی تھی کہ دلہن چیخ مار کر کہی لمولفہ |
| تقدیر نے میرے تیئں گھونگھٹ ہی میں افسوس | .. .. .. .. .. گھونگھٹ میں ہی افسوس |
| میرے بنے کی مجھی لا لاش دیکھا ہی (کذا) | .. .. .. .. .. .. .. دیکھا ہی |
| یہ کیا برا پیرا نظامیرا ہاتے اے لوگ | .. .. بورا پیرا .. .. .. .. |
| دولہا کو سوہا ہی نہیں اور موت سو ہا ہی | دولھا کوں .. .. .. .. .. |
| اے لوگ میں بھونڈی پیری تھی کیا جو مرے آئے | .. .. .. .. .. .. .. .. |
| دولہہ مواتھی میرے قدم کی یہ بورا ہی | دولھا مواتھی مجھ قدم ہی کی .. .. |
| اے لوگو میں بختوں کی جلی ایک ذرا بھی<br>صورت اپنے کی نہیں دیکھا ہی | .. .. .. .. .. .. .. زرا بھی<br>.. .. .. .. .. .. .. |
| الحاصل کر بعد ادائے فرض کے دو رکعت شکر بجالایا۔ | .. .. .. رکعت شکرانہ موہب (کذا) عظمیٰ بجالایا۔ |

[1] حضرت قاسم خود امام نہیں بلکہ امام حسن کے صاحب زادے اور امام حسین کے بھتیجے تھے

[اس کے بعد کربل کتھا مطبوعہ میں چند[1] سطور اور ایک قطعہ اور تحریر ہے وہ طبقات الشعراء میں نہیں ہے البتہ صاحب تذکرہ پھر اس ذکر کو اس طرح شروع کرتا ہے: "پھر یہ مصنف یوں کہتا ہے کہ"]

| | |
|---|---|
| یہ گوہر گراں بہا ذکر خواب کہ بہ تائید بحر | یہ گوہر .. .. .. .. .. |
| رحمت الٰہی صدف امید سے سلک عبارت میں منسلک ہوا | .. .. .. .. .. .. .. |
| وکفیٰ باللہ شہیدا | .. .. .. .. .. .. |
| کہ مبرا از کذب و خلاف ہے بموجب نص صحیح کہ | .. .. .. .. .. .. .. |
| لعنۃ اللہ علی الکاذبین | .. .. .. .. دمع ہذا .. .. |
| ومعہذا تہمت برجناب حضرت امام حسین باعث کفر | .. .. حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ الصلوٰۃ |
| بے خلاف ہے اگرچہ مجھ سا نالایق روسیاہ اس مظہر | والسلام باعث کفر بے خلاف اگرچہ .. .. |
| سبحانی کے دیدار مطلع الانوار دیکھنے کی لیاقت کہاں | مطلع انوار . . . . فیض عام سے کیا بعید |
| رکھتا تھا لیکن اس فضل خاص اور فیض عام سے | شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را |
| بعید نہیں (ص ۷۰) | افتاب تاباں نے ذرہ بے مقدار کوں اس معراج |
| شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا | بلند سے سرفراز کیا اور شاہ شاہاں نے |
| یہ رسالہ مسعودہ اوپر بارہ مجلس اور ایک خاتمہ کے ہے | اس گدائے بے رتبہ کوں اس رتبہ علیہ حضور |
| | میں باریاب کرا تیمانہ دیا۔ الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی |
| | سید المرسلین وآلہ الطاہرین الی یوم الدین ۔ |
| | گر فخر دو جہاں پہ کروں ساز گار ہے |
| | کیونکر کہ دو جہاں کا دو صاحب مدار ہے |
| | اما یہ مجموعہ محمودہ اور یہ رسالہ مسعودہ مشتمل ہے اوپر |
| | ایک مقدمہ اور بارہ مجلس اور ایک خاتمہ کے رب |

---

[1] کریم الدین کے قول کے پیش نظر یہ قیاس غالباً بہت بے جا نہیں ہے کہ نسخہ اشپرنگر کی یہ عبارت بھی بعد کا اضافہ ہے

| متن مطابق طبقات شعرائے ہند | مطبوعہ متن |
|---|---|
| اے لوگو یہ اک پل میں بسا گھر میرا اجڑا | .. .. .. ایک .. .. .. .. |
| یہ کیسی بھری موت کی اب رائے دوہائی | .. .. .. .. .. رانی دو ہائی |
| لاشہ کے کنے بیٹھ کہا اے مرے نوشہ | لاشے کے کنے بیٹھ کہے اے .. .. .. |
| تو مر گیا اور میرے تیں موت نہ آئی | توں .. .. .. .. .. .. |
| نوشہ تو مرے میں جیوں اللہ اللہ کہا دل | نوشہ توں.. .. .. .. .. . |
| مجھ کو بھی بلالے نکراب دشمن ہنسائی | مجھ کوں .. .. ذکر .. .. |
| اے میرے بنے میں نے ترے لوہو ستی دیکھ | .. .. .. .. سیتی .. .. |
| بھر بھر کہ دونو ہاتھوں میں اب مہندی لگائی | بھر بھر کے دونوں.. .. .. .. .. |
| اے میرے بنے مجھ سی بنی بیٹھی ترے پاس | .. .. .. .. .. .. .. .. |
| تو نے مجھے تج گور ستی آنکھ لگائی | توں .. .. سیتی .. .. .. |
| اے میرے بنے تیری بنی تیرے بنا ہائے | .. .. .. .. .. .. .. .. |
| کفنی گلے میں ڈال کرے گی یہ گدائی | .. .. .. .. کرے گی یو گدائی |
| اے میرے بنے یہ میرا مونہہ ہو گیا کالا | .. .. .. .. .. .. .. |
| بن موت نظر آتی نہیں میری سمائی | .. .. .. آتی نہ کہیں میری .. .. |
| اے میر نہیں بنے ساس کو کیا مونہہ میں دکھاؤں | کوں کیا مونہہ لے دیکھاؤں |
| دل میں کہے گی کیسی بہو بیاہ میں لائی | دل موں .. .. .. .. .. |
| اس کے ہی قدم ستی موا میرا جواں پوت | .. .. سیتی .. .. .. . |
| اس کو کروں گی کیا جو اپس اس گنوائی (ص ۴۲) | .. کوں .. .. .. .. .. |

اس مقابلے سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ نسخۂ کریم الدین اور نسخۂ اشپرنگر دونوں میں کافی فرق تھا۔ نسخۂ اشپرنگر کے مقابلے میں نسخۂ کریم الدین مختصر تھا یعنی یہ کہا جا سکتا ہے کہ مزید نظر ثانی اور اضافے کے بعد کربل کتھا کی جو صورت بنی وہ ہے جو نسخۂ اشپرنگر کی صورت میں سامنے آئی۔ اس میں مصنف نے نہ صرف زبان کو درست کر کے اسے زیادہ معیاری اور شستہ بنانے کی کوشش کی ہے بلکہ موقع بہ موقع بات کو اور واضح کرنے کے لئے الفاظ، فقرے اور کہیں کہیں جملے کے جملے بڑھائے ہیں بزرگوں کے ناموں کے ساتھ عقیدت و احترام کے اظہار کے لیے کئی کئی فقرے اور لکھے ہیں اگرچہ مصنف کا دعویٰ یہ ہے کہ اس نے "ہندی" اصطلاحات اور استعارات سے تحریر کو آراستہ کیا ہے لیکن

حقیقت یہ ہے کہ بعض مواقع پر اس نے "ہندی" ترکیبوں کو ہٹا کر فارسی ترکیبیں لکھی ہیں۔ مثلاً "قدموں مبارک" کی جگہ "قدمانِ مبارک" بنایا ہے، اتنا ہی نہیں اس نے واقعات وغیرہ میں بھی حسب ضرورت تبدیلی کی ہے مثلاً کریم الدین نے لکھا ہے۔

"وہ خود کہتا ہے کہ ان ایام میں میری عمر بائیس برس کی تھی"

لیکن مطبوعہ کربل کتھا میں ہے کہ

"سن عزیز اس کے نے حدودِ عشرین سے دو تین منزل تجاوز کیا ہے"

فرق معمولی سہی لیکن اصلاح کا مقصد ظاہر ہے۔ وہ بات زیادہ صحت کے ساتھ کہنا چاہتا تھا۔ فضلی کی کربل کتھا کا ذکر کرتے ہوئے مولانا محمد حسین آزاد نے لکھا ہے:

"محمد شاہ کے عہد میں ۱۱۴۵ھ میں فضلی تخلص ایک بزرگ نے وہ مجلس لکھی"

اور کریم الدین نے بھی اسی سال کا قیاس کر کے یعنی ۱۲۶۳ھ اور ۱۸۴۷ء کے کہ زبان اردو میں اس سال مذکور تک صدہا کتابیں ترجمہ ہو گئی ہیں۔ ... ایک سو اٹھارہ برس کے عرصہ میں بہت کتابیں اردو میں اکثر زبانوں سے ترجمہ ہوئی ہیں ....۔ اس نے مرثیہ اور مناقب میں بہت شعر کہے ہیں مگر سبب بہ سبب محاورات قدیم کے لچر ہیں" (ص ۷۱)

لیکن انھوں نے یہ خیال نہ کیا کہ کتاب کا ابتدائی مسودہ ۱۱۴۵ھ میں تیار ہوا تھا۔ نظر ثانی کے بعد جس میں زبان و بیان کی درستی پر خصوصیت سے توجہ دی گئی تھی، یہ کتاب عہد محمد شاہ کے بعد مکمل ہوئی۔ فضلی نے جس شعر سے نظر ثانی کی تاریخ نکالی ہے اس کے نیچے دونوں نسخوں میں ۱۱۶۱ھ لکھا ہوا ہے لیکن اس شعر سے ۱۱۷۰ھ کے عدد برآمد ہوتے ہیں۔ مرتبین کربل کتھا نے اس سلسلے میں اس طرح اظہار خیال کیا ہے۔

فضلی نے پورے شعر یعنی دونوں مصرعوں سے ۱۱۶۱ تاریخ نکالنا چاہی ہے لیکن اس شعر سے ۱۱۷۰[1] برآمد ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کے نقل ہونے میں کچھ سہو ہو گیا ہے۔ اگر اسے یوں لکھا جاتے

هر کس از من کند بنیکی یاد ‏ ‏ ‏ بجهان نامش هم بنیکی یاد
‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ۵۶۴ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ۵۹۶

تو اس سے ۱۱۶۰ حاصل ہوں گے۔ چونکہ تاریخوں میں ایک عدد کی کمی بیشی جائز رکھی جاتی ہے - اس لئے

---

[1] مصرع ثانی اگر اس طرح لکھیں ع بہ جہاں نامش ہم بہ نیکی یاد۔
تو اس شعر سے ۱۱۷۵ کے عداد برآمد ہونگے۔ لیکن مصرعہ کی اس صورت پر اصرار نہیں کیا جا سکتا البتہ اس سلسلے میں مزید تحقیق کی گنجائش ہے اور اس امکان کو بھی پیش نظر رکھنے میں قباحت نہیں ہے۔

یہ صحت سے قریب تر ہوگا۔"

یہ مفروضہ صحیح نہیں کہ خاتمات میں دو مقامات پر احمد شاہ کا نام آیا ہے۔ محمد شاہ کا انتقال ۲۴ ربیع الثانی ۱۱۶۱ھ کو ہوا اور اس کے بعد احمد شاہ تخت و تاج کے مالک ہوتے۔ کتاب کی تکمیل لازماً ان کے عہد سے پہلے نہیں ہوئی کتاب میں تاریخ کہیں بھی لفظوں میں نہیں لکھی ہے۔ اعداد کی کتابت میں ذرا بے احتیاطی کی جاتے تو کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ ۱۱۷۰ کا سہو کاتب کے نتیجہ میں ۱۱۶۱ ہو جانا بعید از قیاس نہیں ہے۔ فضلی کے عہد کا غالباً سب سے اہم سال یہی تھا۔ محمد شاہ نے اسی سال انتقال کیا تھا اور دوسرے بادشاہ کے جلوس کا سال بھی یہی تھا۔ یہی اہمیت کاتب کے لئے سہواً ۱۱۶۱ لکھ دینے کے لئے جواز ہو سکتی ہے۔

یہ خیال کہ شعر لکھنے میں غلطی ہوئی ہے صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ شعر میں ادنیٰ تصرف اس کی موزونیت کو بھی متاثر کر سکتا ہے پھر دونوں نسخوں میں شعر ایک ہی طرح لکھا ہے[1] ظاہر اس میں فرق نہیں ہوا۔

یہاں یہ بات کہنی بھی نامناسب نہیں ہے کہ فضلی نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ جس وقت اس نے کتاب کا آغاز کیا حالات ایسے تھے کہ تعزیہ (عزاداری) کو بھی "اندرون محل مخفی" رکھنا ضروری اور "تقیہ" پر عمل لازم تھا۔ یہ بات اہم ہے محمد شاہ کے سلسلہ حالات میں یہ واقعہ اہمیت رکھتا ہے کہ یہی بادشاہ تھا جس نے خود کو "بادشاہ گر" سادات بارہہ کے چنگل سے آزاد کیا اور پھر ان کی سرزنش بھی کی یہ سادات وہ تھے جو اس سے پہلے تین بادشاہوں کو یکے بعد دیگرے موت کے گھاٹ اتار چکے تھے۔ محمد شاہ کے عہد کا دوسرا اہم واقعہ یہ ہے کہ سعادت خان برہان الملک کو انھوں نے وزارت عظمےٰ کے منصب پر فائز نہ کیا چنانچہ سعادت خان اور نظام الملک کی سازش سے نادر شاہ دہلی تک آتے گویا بادشاہ کی وہی سختی سلطنت مغلیہ کے خاتمہ کا سبب بنی۔ سعادت خان کے متعلق اہل دہلی کے جذبات کا اندازہ ان کی وفات کے اس مادہ تاریخ سے ہوتا ہے جو وہاں مشہور ہوا یعنی۔

"ای سعادت نمک حرام بمرد" ۱۱۵۱

محمد شاہ کے خلف الرشید احمد شاہ کے حالات بھی کم و بیش ایسے ہی رہے البتہ ۱۱۶۷ھ میں ان کی معزولی کے بعد حالات نے پھر پلٹا کھایا اور اب عالمگیر ثانی تخت نشین ہوئے۔ یہ بیچارے "برائے نام" بادشاہ تھے۔ فقرا اور بزرگان دین سے بڑا اعتقاد تھا اور اسی بہانے سے شہید ہوتے۔ تاریخ اس طرح کہی گئی:

سنی بلغ و شیعی کشمیر  قاتل جان شاہ و ابن وزیر

۱۱۷۳ھ

---

[1] شعر اور تاریخ کے ایک ہی صورت میں لکھے ہونے کے سبب میرا خیال ہے کہ ماخذ کے سلسلے میں دونوں نسخوں کا شجرہ کہیں نہ کہیں مل جاتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کاتب نے دوسرے نسخے سے بھی استفادہ کیا ہو۔ واللہ اعلم۔

ظاہر ہے کہ اس زمانے میں کربل کتھا کی اشاعت کے لئے حالات نہایت سازگار تھے۔ بظاہر اسی بادشاہ کے عہد میں ۱۱۷۰ھ میں فضلی نے اپنی کتاب پر نظر ثانی کر کے اسے عام کیا ہوگا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصنف نے کتاب میں بادشاہ وقت کا نام کیوں نہ لیا؟ تو اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ کتاب بنیادی طور پر عقیدے سے تعلق رکھتی ہے۔ مقدمہ وغیرہ تو محض ضمنی حیثیت رکھتا تھا چنانچہ مقدمہ میں اس نے محمد شاہ کے بعد احمد شاہ کا نام لینے کی ضرورت نہ سمجھی، البتہ دوسرا قطعہ تاریخ جو بعد میں کہا تھا اس میں اضافہ کر دیا اور یہ قطعہ بجائے خود اس حقیقت پر دال ہے کہ کتاب پر نظر ثانی ۱۱۷۰ھ میں کی گئی۔

• اضافہ و ترمیم کے زمانے کی آخری حد کا تعین فی الحال ممکن نہیں ہے لیکن غالباً یہ سلسلہ فضلی کی آخری عمر تک جاری رہا ہوگا کیونکہ فضلی اس کتاب کی تالیف کو علمی یا ادبی کے بجائے مذہبی کام سمجھتے تھے۔ خود کہتے ہیں۔

"مجھ احقر احقر کی خاطر میں گذرا کہ ترجمہ اس کتاب کا برنگینی عبارت و حسن استعارات ہندی قریب الفہم عامہ مومنین و مومنات کیجے تو۔ . . . . بڑا ثواب باصواب کیجیے" (ص ۳۸) کربل کتھا میں ایک قدیم مرثیہ گو شاعر مسکین کے دو شعر بھی نقل ہوئے ہیں:

جب دن ہوا تو کلام مسکین ظالم شمشیر کر کے عریاں　　بچوں کوں گھر سے کاڑھا باندھے ہوتے دو زلفاں
زلفاں پکڑ سیتی کھینچا کنپٹیاں ٹوٹ چلیاں　　جاں کندنی سے گذرا بچوں کا آہ و نالا (ص ۳۹)

یہ شعر مسکین کے اس مشہور مرثیے کے ہیں جس میں اکیاسی بند ہیں اور جسے گلکرسٹ نے اپنی "ہندوستانی زبان کی قواعد" میں نقل کیا ہے اور جس کے متعلق گلکرسٹ کا خیال ہے کہ "طالب علموں کو اس مرثیے کی نقل کرنا چاہیے" بطور مجموعی ان کی رائے یہ بھی ہے کہ۔

"مسکین کے مراثی کا مطالعہ مبتدیوں کے لئے بے حد مفید ہے۔ [1]"

گلکرسٹ کی تحریروں سے مسکین کی بابت صرف اتنا پتا چلتا ہے کہ "وہ دہلی کے رہنے والے اور عہد محمد شاہ کے مشہور شاعر تھے۔ سودا نے بھی ایک قصیدے میں ان کا ذکر کیا ہے:

استفاط حمل ہو تو کہیں مرثیہ ایسا　　پھر کوئی نہ پوچھے میاں مسکین کہاں ہے

ظاہرا مسکین عہد سودا تک بقید حیات تھے۔ اور ان کا مذکورہ مرثیہ ان کی شاعری کے دور شباب کی یادگار ہے۔ ایسی صورت میں کربل کتھا میں مسکین کے دو شعروں کا اندراج بھی غالباً بعد میں کیا گیا ہوگا۔

بہر نوع اتنی بات بڑی حد تک یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ کربل کتھا کے متن میں اس کے مصنف نے بعد تک

---

[1] گلکرسٹ اور اس کا عہد مولفہ محمد عتیق صدیقی۔ ص ۲۶۱۔

اضافے کیے۔ چنانچہ اس متن کو بھی جو کریم الدین نے پیش کیا ہے عبد محمد شاہی کا کہنا صحیح نہیں ہو سکتا۔ وہ بھی نظر ثانی کے زمانے (۱۲۰۷ھ) تک کا لازماً ہے اور اگر اس میں بھی بعد کے اضافے شامل ہوں تو کچھ بعید نہیں۔ نسخہ اشپرنگر کا متن ظاہراً نسخہ کریم الدین کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ اس لیے اس کا زمانہ اور بھی بعد کا ہوگا۔

مخطوطے کی کیفیت مرتبین ہی کے قول کے مطابق یہ ہے۔

"نسخے کے آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں جس سے سال کتابت کا اندازہ ہو یا کاتب کا نام معلوم ہو سکے۔ کتاب پر کوئی مہر یا دستخط وغیرہ بھی ثبت نہیں"

ایسی صورت میں خصوصیت سے احتیاط لازم ہے چنانچہ کہ بل کہنا کہ نسخۂ اشپرنگر کو فضلی کی آخری عمر کے تکمیل شدہ نسخے کی نقل سمجھنا مناسب تر ہے۔

اس گفتگو کے بعد خود مصنف کی بابت بھی عرض کرنا مناسب ہے۔ مقدمہ میں مرتبین نے اس سلسلے میں حسب ذیل اعترافات کیے ہیں۔

"فضلی سے متعلق ہماری واقفیت کا ماخذ صرف یہی کتاب ہے اور کسی جگہ ان کا تذکرہ دیکھنے میں نہیں آیا"(ص ۱۷)

---

لہ مسکین کے متعلق قدرت اللہ شوق نے لکھا ہے:۔

"مسکین ساکن دہلی مردی بود، صاحب درد، مسکیں وضع، محبت آل نبی و آل علی در دل خود بدرجۂ کمال داشت، تمام عمر خود در تصنیف مرثیہ امام حسن و امام حسین ... رضی اللہ عنہما صرف نمود۔ ... واز معاصرین او دیگر مثل گدا و سکندر وغیرہ بسیار اند ... "

(طبقات الشعرا مولفہ قدرت اللہ شوق مرتبہ نثار احمد فاروقی۔ مطبوعہ ۱۹۶۸ء طبقہ سوم ص ۱۲۹)

یہ بات غیر اہم نہیں ہے کہ شوق نے یہ ذکر اپنے تذکرہ کے طبقہ سوم میں کیا ہے جس کا عنوان اس طرح ہے۔

"در ذکر شعرای متاخرین و بعضی نومشقان دیگر"

اور شوق کا تذکرہ ۱۱۸۹ھ (۱۷۷۵ء) میں مکمل ہوا تھا اس لیے مسکین کے متعلق یہ قیاس غالباً صحیح ہو کہ انھوں نے شاہ عالم ثانی کا زمانہ بھی دیکھا ہوگا۔ درگاہ قلی خان نے مسکین کا ذکر اس طرح کیا ہے:۔

"مسکین و حزین و غمگین ہر سہ برادر اند و در زبان ریختہ مرثیہ گفتن مہارتی تمام دارند ..... "

(مرقع دہلی بحوالہ گلکرسٹ اور اس کا عہد از محمد عتیق صدیقی ص ۱۶۳)

اس اقتباس سے صرف اتنا پتا چلتا ہے کہ "مرقع دہلی" کی تالیف (۱۱۵۱ تا ۱۱۵۰ھ) سے قریباً مسکین کی شاعرانہ حیثیت کو تسلیم کیا جانے لگا تھا لیکن اس اقتباس سے مرثیہ مذکور کے زمانے کے متعلق قیاس کرنے میں مدد نہیں ملتی۔ البتہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ کریم الدین نے بھی مسکین کا حال میر اور سودا کے ساتھ طبقہ دوم (ص ۱۷۰) میں لکھا ہے

یہ کتاب فضلی نے نواب شرف علی خان کے اہل خانہ کی فرمائش پر لکھی تھی۔ نواب شرف علی خاں سے متعلق جاری معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں" (ص ۱۸)

"کتاب دلی میں لکھی گئی ہے۔ فضلی نے سبب تالیف کے سلسلے میں درگاہ قدم شریف کا جس انداز سے ذکر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سے اچھی طرح واقف ہیں اور جس زمانے میں یہ کتاب لکھی گئی غالباً ان کا قیام بھی دلی ہی میں تھا،" (ص ۲۰)

اس درگاہ کی عمارت کا تذکرہ کتاب میں بس اسی قدر ہے۔

"کیا دیکھتا ہوں کہ عمارت ..... بعینہ مانند عمارت حضرت قدم شریف ہے اور متصل دیوار کے دو قبریں نہایت ملیں موئیں" (ص ۳۹)

معلوم نہیں کہ اس جملے سے درگاہ قدم شریف سے "اچھی طرح واقف" ہونا کیونکر ثابت ہوا بہر نوع محرک تصنیف مصنف، مقام تصنیف، زمانہ تصنیف و تکمیل، کاتب، زمانہ کتابت۔ غرض سارے اہم معاملات سے ہم تقریباً ناواقف ہیں ظاہر ہے کہ ایسی کتاب کی بنیاد پر جو فیصلے کیے جائیں گے ان کی اہل تحقیق کے نزدیک کیا حیثیت ہوگی ہماری زبان مورخہ ۲۲ر فروری ۱۹۶۶ء میں ڈاکٹر محمد عقیل صاحب نے اپنے مضمون "اردو میں ہمزہ کا استعمال" میں لکھا ہے:

انہیں اعراب بالحروف کہتے ہیں۔ جیسے پوکارتا میں 'پ' کے پیش کو 'و' سے ظاہر کرنا دکربل کتھا ص۶۵ لاگی، لگی۔ یہاں زبر کو الف سے ظاہر کیا گیا ہے، اسی طرح املا کی صورتیں بھی مکستر طریقہ کی ہیں پہنتی بجائے پہنتی، چاٹتا بجائے چاٹتا، جیتتا بجائے جیتتا۔ ملاحظہ ہو مقدمہ کربل کتھا ص ۲۱، ۲۲۔ قدیم اردو میں رائج تھا بعد کو متروک ہو گیا"

اگرچہ ڈاکٹر صاحب نے "قدیم" اور "بعد کو" سے مراد زمانے کی حدود کی توضیح نہیں کی ہے لیکن کربل کتھا کے مقدمہ کا حوالہ دے کر یہ بات تقریباً واضح کردی ہے کہ قدیم سے ان کی مراد عہد محمد شاہی ہے لیکن تحریر کی جن خصوصیتوں کا یہاں ذکر کیا گیا ہے کم و بیش سبھی انیسویں صدی عیسوی کے وسط تک۔ عام طور پر رائج تھیں چند مثالیں میر رشک کے مطبوعہ دیوان سے پیش کرتا ہوں:۔

گور نے غم سے چھوڑایا (کذا) مجھ کو　　کب سے تھی خانۂ زنداں کی ہوس
تو بے ترکے شوق کا نقشہ بڑھادوں اس قدر　　آپ آتے دخترِ انگور مجھ کو تاک نے
دل شکن ہے وہ پراسنا کہیں کیونکرائے رشک　　نہیں بن نے کا کبھی دل جو ہمارا ٹوٹا
اونہیں آنکھوں نے چھوڑایا ہے یہ دل اے نرگس　　جن سے وحشت میں چھوٹا تا ہے چکارا آنکھیں
حسن اوس او نگلیوں کا بیں بجانے سے بڑھا　　کہہن نے لگے مضراب کے زیور ناخن

مصرع: جلواتا ہے نوچواتا ہے بال دپر عاشق ۔

مطبوعہ کربل کتھا کے متعلق یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مرتبین نے عموماً اصل مخطوطے کے املا کی اتباع نہیں کی ہے ۔ مقدمہ میں بھی جہاں کتاب کی "لسانی اہمیت" بیان کی ہے اس املا پر پوری توجہ نہیں کی گئی ہے ۔ مثال کے طور پر مخطوطے میں کسی ایک جگہ بھی بلتے دوچشمی کا استعمال نہیں ملتا مقدمہ میں ہر جگہ ہائے مخلوط کو اسی صورت میں لکھا ہے مثلاً 'پڑھوں' کھلیان وغیرہ۔ اسی طرح مخطوطے میں جہاں نون غنہ ہے وہاں بھی نقطہ بنا ہوا ہے مثلاً "خاک میں"، "کہیں"، "خداکون"، مقدمہ میں اس حرف کی اس صورت کو قابل اعتنا نہیں سمجھا گیا وغیرہ۔ املا کی ایسی ہی بعض دوسری شکلیں بھی ہو سکتی ہیں جن کی نشان دہی فی الوقت ہمارے لئے ممکن نہیں ہے [اصل مخطوطے سے مقابلے کے بعد ہی صحیح کیفیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے] ایسی صورت میں مطبوعہ کتاب پر اعتماد، لسانیاتی تجزیہ یا املا و تحریر کے ارتقا کو سمجھنے کے لئے مفید و مناسب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس میں بعض حرفوں کی صورت اور بعض الفاظ کا املا فاضل مرتبین کے مسلک کے مطابق بھی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ موجودہ صورت میں مطبوعہ کربل کتھا سے زبان و بیان یا تحریر و املا کے بارے میں حاصل ہونے والی بیشتر معلومات کا تعلق عبد محمد شاہی سے مطلق نہیں[1] ہے اس مقصد کے لئے ہمیں بہر حال قدیم اور مستند ماخذ سے رجوع کرنا ہو گا ۔

[فکر و نظر علی گڑھ شارہ نمبر ۳ ۱۹۶۹ء]

---

[1] حواشی پر مرتبین نے کربل کتھا کے مشکل اور غیر مانوس الفاظ کے معنی بھی لکھے ہیں اور سند میں شعرا کا کلام بھی پیش کیا ہے۔ اس سلسلے میں ناسخ، ذوق، غالب، وزیر، انیس، داغ، قلق، منیر اور جلیل وغیرہ کے کلام سے بھی سند یں پیش کی گئی ہیں یہ بات بجائے خود قابل ذکر اہمیت کی حامل ہے ۔

---

(۲)

# رسالوں کے غالب نمبر

ابوسلمان شاہجہاں پوری

۱۳۔ "گل فشاں" لاہور غالب نمبر ۲

ضخامت: ایک سو بانوے صفحات۔

قیمت: دو روپے۔

تاریخ اشاعت: اپریل ۱۹۶۹ء۔

غالب نمبر ۲ بھی نمبر ایک ہی کی سطح پر ترتیب دیا گیا ہے، صرف لکھنے والے اور عنوانات مختلف ہیں۔ ترتیب میں وہی سلیقہ ہے جو نمبر ۱ میں نظر آیا۔ اس نمبر میں علمی مقالات، منظوم خراج عقیدت اور طنزیہ ومزاحیہ ہر قسم کی نگارشات شامل ہیں۔ مقالہ نگاروں میں سید مرتضیٰ حسین فاضل، عبداللہ جاوید، صفی حیدر دانش، انور سعید، انوار احمد زئی، خواجہ سلطان احمد، نظیر صدیقی، شاکر علیمی، آفاق صدیقی، زیب ملیح آبادی، وسیم احمد بخاری، آصف عمران، حفیظ صدیقی کے نام ہیں ان میں سے اگرچہ بعض لکھنے والے نئے ہیں اور بعض کا اصل میدان شعر و شاعری ہے لیکن انھوں نے بھی مایوس نہیں کیا، ان کی محنت اور لکھنے کے سلیقے کی داد دینی پڑتی ہے۔ اول الذکر پانچ چھ حضرات کے مضامین خاص طور پر قابل ذکر ہیں، حفیظ صدیقی کا مضمون تو بہت ہی خوب ہے۔ طنز و مزاح میں احمد جمال پاشا، آغا سہیل اور اکبر حمیدی کے مضامین بہت دلچسپ ہیں۔ محسن احسان، رئیس امروہوی، وزیری پانی پتی، رئیس فروغ، عرفانہ عزیز اور خلش نجمی نے غالب کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا ہے، اس کا ایک حصہ غالب کی زمین میں شعرا کی کاوش ہائے فکر و نظر پر مشتمل ہے، اس حصے میں عارف عبدالمتین، شہزاد احمد، صادق نسیم، خلیل رام پوری، خاطر غزنوی، منور سلطانہ، اور بلقیس اختر کی غزلیات شامل ہیں۔ ان میں پختہ شاعر بھی ہیں اور نوجوان شاعر بھی، لیکن کلام سب کا لائق توجہ ہے۔

اس نمبر کی بھی یہ خصوصیت قابل قدر اور نہایت مفید ہے کہ لکھنے والوں کے سوانحی و تعارفی خاکے شامل ہیں بعض کے

اپنے قلم سے، بعض کے دوسروں کے قلم سے، اس میں بہت سی خوبیاں ہیں اس کی ترتیب و اشاعت لائق تحسین لیکن سیف زلفی صاحب نے لکھا ہے کہ "غالب نمبر ۱ اور نمبر ۲ ایک ادبی دستاویز ہے جس کی مدد سے آنے والا مورخ ہمارے عہد کی تاریخ مرتب کر سکے گا" یہ وہ نہ لکھتے تو اچھا ہوتا۔

## ۴۔ "ماہ نو" کراچی

ادارہ: شان الحق حقی، فضل قدیر اور وصی احمد۔

ناشر: ادارہ مطبوعات پاکستان، کراچی۔

ضخامت: تین سو آٹھ صفحات۔

قیمت: تین روپے۔

تاریخ اشاعت: جنوری فروری ۱۹۶۹ء۔

ایسے موقعے پر کہ پورے ہندوستان پاکستان میں غالب کی سوویں برسی کا اہتمام ہو رہا تھا اور پچاسوں رسالے غالب نمبر شایع کرنے کی تیاری اور اس کے لیے مضامین کی تگ و دو میں مصروف تھے، نئے مضامین حاصل کرنا آسان کام نہ تھا' ایک بات اور محسوس کی جا رہی تھی کہ ان شدید فرمائشوں پر لکھے ہوئے مضامین کے مقابلے میں وہ مضامین زیادہ اہم ہوں گے جو اس سے پہلے محققین و مصنفین نے اپنے ذاتی شوق سے لکھے ہیں۔ اس لیے نئے مضامین لکھوانے کی بجائے ایک اہم ضرورت یہ تھی کہ مطبوعہ سرمائے میں سے مضامین کا انتخاب شایع کیا جائے۔ اس میں تگ و دو کم اور افادیت زیادہ تھی "ماہ نو" کے ادارے نے انھی حقائق کے پیش نظر دوسری راہ اختیار کی اور پچھلے بیس بائیس برسوں میں "ماہ نو" میں غالب پر جو کچھ چھپ چکا تھا اس کا ایک نہایت عمدہ انتخاب شایع کر دیا۔ لیکن ایسا بھی نہیں کہ نئے مضامین حاصل کرنے سے غفلت برتی گئی ہو' چھیالیس مضامین میں بارہ مضمون نئے ہیں' جو اس خاص نمبر کے لیے حاصل کیے گئے ہیں۔

لکھنے والوں میں تقریباً تمام محققینِ غالب ہیں مولانا غلام رسول مہر اور مولانا امتیاز علی خاں عرشی کے چار چار مضمون ہیں قدرت نقوی کے تین مضمون اور مالک رام، ڈاکٹر شوکت سبزواری، تحسین سروری، مسلم ضیائی، نادم سیتاپوری، وغیرہ کا ایک ایک مضمون شامل ہے۔ اگرچہ ان میں سے بعض ایک دوسرے کو نہ مانیں لیکن ہمارے نزدیک یہ حضرات غالب پر سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ دیگر محققین میں قاضی عبدالودود، ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر یوسف حسین خاں، ڈاکٹر عبادت بریلوی یہ تمام وہ حضرات ہیں جن کے نام ادب و تحقیق کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ان حضرات نے غالب کی شخصیت یا فکر و فن یا اس کے کمالات کے جس پہلو کو بھی لیا ہے۔ تحقیق و تنقید کا حق ادا کر دیا ہے' ان میں سے بعض مضامین تو ادب و انشا کے لحاظ سے بھی شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کے علاوہ جو مضامین ہیں ان میں سے ہر مضمون اپنے اندر کوئی نہ کوئی خوبی ضرور رکھتا ہے۔ لیکن بعض مضامین ایسے بھی ہیں جن میں عنوان کے سوا کچھ نہیں۔ نہ ان کی کوئی افادیت ہے۔ نہ ان میں معلومات ہیں، نہ ان میں کوئی فکر ہے، نہ نقد و نظر کی کوئی خوبی ہے۔ اس قسم کے مضامین کے انتخاب اور شمولیت میں علمی نقطۂ نظر کے سوا عام طور پر کوئی دوسرے مصالح کارفرما ہوتے ہیں۔

## ۱۵۔ "منشور" کراچی

ایڈیٹر: سبط اختر۔

پتا: ایرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے کراچی ایرپورٹ۔

ضخامت: چوہتر صفحات۔

قیمت: پچتر پیسے۔

تاریخ اشاعت: فروری، مارچ ۱۹۶۹ء۔

"منشور" کی یہ اشاعت غالب کے تذکرے کے لیے وقف کی گئی ہے۔ اس کا سب سے اچھا مضمون غالب کے حالات میں پروفیسر ممتاز حسین کا ہے جو غالب کے انتخاب کلام پر مقدمے کے طور پر شایع ہو چکا ہے۔ دوسرا اونچے مطالعہ مضمون حاجی عدیل کا ہے۔ "غالب کو اقبال کا خراج عقیدت" بھی تبرکاً اس میں شامل ہے۔

صحت کتابت اور حسن طباعت کا کافی اہتمام کیا گیا ہے۔ آفسٹ کی چھپائی نے اسے زیادہ جاذب نظر بنا دیا ہے۔ سرورق پر غالب کی ایک رنگین تصویر اور غالب کا ایک قصیدہ ہے جو انھوں نے نواب رام پور کی خدمت میں پیش کیا تھا اور جس میں اپنی غربت اور افلاس کا رونا رویا تھا۔

## ۱۶۔ "نقوش" لاہور

ایڈیٹر: محمد طفیل

ناشر: ادارہ فروغ اردو، لاہور

ضخامت: آٹھ سو چالیس صفحات۔

قیمت: بارہ روپے۔

تاریخ اشاعت: فروری ۱۹۶۹ء

مضامین کی تعداد اور ضخامت کے لحاظ سے سب سے ضخیم "نقوش" کا یہ غالب نمبر ہے۔ اس میں باون حضرات کے چھوٹے بڑے اٹھاون مضامین و مقالات ہیں۔

"نقوش" اردو کا کامیاب و مشہور ترین ادبی مجلہ ہے اس نے خاص نمبر نکالنے کی ایک روایت قایم کی ہے اور ایسی روایت جس کی ابھی تک کامیاب پیروی بھی نہیں کی جا سکی۔ "نقوش" کے خصوصی نمبروں کی شہرت ان کی ضخامت ہی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ان کی شہرت میں ان کے علمی معیار اور تنوع کو بھی دخل ہے۔ "نقوش" کا غالب نمبر اپنی اسی روایتی شان اور معیار کے ساتھ آیا ہے۔ مضامین کی تعداد اور اپنی ضخامت کے لحاظ سے یہ نمبر تمام غالب نمبروں میں سب سے زیادہ وزنی ہے اور علمی لحاظ سے یہ نمبر رسالہ اردو، صحیفہ، جامعہ اور نیا دور کے معیار کا ہے۔

بزم نگارش میں تقریباً تمام ماہرین غالبیات اور برصغیر کے اہل علم و اصحاب نقد و نظر کا مجمع ہے۔ کبھی کسی پرچے میں تمام مقالات اول درجے ہی کے نہیں ہوتے بلکہ دوسرے اور تیسرے درجے کی چیزیں بھی ہوتی ہیں۔ "نقوش" کے زیر نظر نمبر میں بھی جہاں اکثر نہایت

اعلا درجے کے ادبی، تنقیدی، اور تحقیقی مضامین ہیں وہاں بعض کم تر درجے کی چیزیں بھی ہیں۔۔ اگرچہ ان کے بھی دلچسپ ہونے میں شبہ نہیں لیکن اس باب میں ضرور گنجائش کلام ہے کہ وہ اول درجے کا ایک علمی موضوع بھی ہیں یا اعلا علمی معیار پر وہ تحریریں پوری اترتی ہیں۔

مولانا امتیاز علی عرشی کا مضمون "دیوان فارسی کا مقدمہ" ادبی اور تحقیقی لحاظ سے خاصے کی چیز ہے، مولانا غلام رسول مہر صاحب نے غالب کے جن شاعرانہ کمالات اور کلام کی جن خصوصیات پر توجہ دلائی ہے وہ ایک اہم موضوع پر اچھوتا مضمون ہے اور مہر صاحب کے کمال انشا پردازی کا ایک نادر نمونہ ہے، مالک رام، قاضی عبدالودود، عبدالقوی دسنوی، ڈاکٹر شوکت سبزواری، کا شمار محققین غالب میں ہوتا ہے اور یہ ملک کے مانے ہوئے اصحاب نقد و نظر ہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب پاک و ہند کے ان چند ادیبوں اور انشا پردازوں میں سے ہیں جن کے علم و مطالعہ اور ذوق و نظر کی قسم کھائی جا سکتی ہے۔ ان حضرات کی نگارشات اور رشحات قلم جس پرچے میں جمع ہو جائیں اس کے ادبی اور علمی معیار کے ثبوت کے لیے کسی اور سند کی ضرورت نہیں۔ ان بزرگ ادیبوں، انشا پردازوں اور محققوں کے پہلو بہ پہلو ملک کے وہ ادیب اور محقق بھی موجود ہیں جنھیں چن لینے کے بعد اس درجے کا کوئی لکھنے والا باقی نہیں رہتا، میرا اشارہ سہیل بخاری، وزیر آغا، مرتضیٰ حسین فاضل، خلیق انجم، محمد ایوب قادری، فرمان فتح پوری، اکبر علی خان، وحید قریشی، خواجہ احمد فاروقی، وقار عظیم وغیرہ اصحاب علم و فضل اور ارباب نقد و تحقیق کی جانب ہے۔

اوپر کی دو فہرستوں میں جن حضرات کے نام نہیں آئے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ مصنفین ارباب قلم اور اصحاب نقد و نظر کے تیسرے درجے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر گیان چند، ڈاکٹر اعجاز حسین، فراق گورکھپوری، یگانہ چنگیزی وغیرہ وہ حضرات ہیں جو اردو کے ادیبوں، محققوں، انشا پردازوں، مصنفوں کی صف اول سے تعلق رکھتے ہیں۔ دیگر مشہور ادیبوں میں نادم سیتاپوری، اختر اورینوی، ظہیر الدین صدیقی، کسریٰ منہاس، مسلم ضیائی، سعادت نظیر، عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر محمد حسن، پروفیسر نجم الاسلام، محمد عتیق صدیقی، ڈاکٹر آغا افتخار حسین، انور سدید، ڈاکٹر اکبر حیدری، سید معین الرحمان، عبدالرحمان چغتائی وغیرہ شامل ہیں ان حضرات نے غالب کی شخصیت، فکر و فن یا ان کے عہد و سوانح، ان کے معاصر یا دیگر افاضل کے تعلق سے جس پہلو پر بھی قلم اٹھایا ہے، تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے اور نمبر کی علمی، ادبی، تحقیقی حیثیت میں اضافہ کیا ہے۔

اس نمبر کے مضامین بھی غالب کی شخصیت، شاعری، فکر و فن کے انھی پہلوؤں پر مشتمل ہیں جو دیگر نمبروں کا موضوع بھی ہیں لیکن دیگر تمام نمبروں کی موجودگی میں بھی اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ "نقوش" کی روایت کے مطابق یہ نمبر بھی اپنے موضوع یعنی غالب پر، ایک تاریخی اور واقعی یادگار حیثیت رکھتا ہے۔

اس نمبر کی ایک نہایت وقیع چیز عبدالرحمان چغتائی کا حصہ ہے، آپ کے موقلم نے سرورق کو "اسد اللہم وھم اسد الھیم" کے نقش سے زینت بخشی ہے۔ اندر ایک صفحے پر غالب کی شبیہ آپ کے کمال فن کا نادر نمونہ ہے۔ اس نمبر کی حیات جاوید کے لیے صرف یہی دو چیزیں کافی ہیں۔ اور ایک نہایت قیمتی مضمون "غالب کا تصویری مرقع" کے عنوان سے ہے۔

بیس صفحات درمیان میں مختلف جگہوں پر آرٹ پیپر کے ہیں جن پر غالب کی بیس غزلیں نہایت خوبصورت اور دلکش جدول

میں چھپی ہیں۔ یہ بھی اس نمبر کی ایک خصوصیت ہے جس کی طرف اشارہ ضروری معلوم ہوا۔

اخباری کاغذ پر اچھی کتابت بھی اس کی خصوصیت ہے

## ۱۷۔ "نگار پاکستان" کراچی

ایڈیٹر: ڈاکٹر فرمان فتح پوری، نائبین: عارف نیازی و حنیف پانی پتی۔

پتا: نگار پاکستان۔ ۲۲ گارڈن مارکیٹ۔ کراچی ۳۔

ضخامت: ایک سو ساٹھ صفحات۔

قیمت: تین روپے۔

تاریخ اشاعت: جنوری و فروری ۱۹۶۹ء۔

اس موقعے پر غالب نمبر نکالنے کے لیے اچھے اور کار آمد مضامین کے حصول میں جو مشکلات تھیں وہ معلوم تھیں اور "نگار" کی ہمیشہ سے یہ روایت رہی ہے کہ اس کے نمبر رسمی نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ موضوع کی اہمیت اور علمی ضرورت کے تقاضوں سے مجبور ہو کر نکالے گئے۔ اب جب کہ اس کی علمی روایت اور معیار کو برقرار رکھنا مشکل نظر آیا تو نمبر نکالنے کا خیال ہی ترک کر دیا لیکن شائقین "نگار" کے اصرار سے مجبور ہو کر آخر وقت میں نمبر نکالنے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ اور صورت اس کی یہ طے کی گئی کہ "نگار" میں مطبوعہ مضامین ہی کا ایک انتخاب شایع کر دیا جائے۔ "نگار" کو نکلتے ہوئے تقریباً نصف صدی ہو گئی۔ اس دوران میں اس میں غالب پر سیکڑوں نہایت اعلا درجے کے علمی، تحقیقی مضامین شایع ہوئے ہیں غالب سے متعلق متعدد بلند پایہ تنقیدی مضامین اور عالمانہ مباحث "نگار" میں شایع ہوئے۔ اور بعض ایسی ادبی جنگیں "نگار" کے صفحات پر لڑی گئی ہیں جن کی مثال اردو ادب کی پوری تاریخ میں نہیں ہے۔ پیش نظر نمبر میں غالب کی زندگی اور فن کے متعلق بہترین مضامین جمع ہو گئے ہیں اور ادب و تنقید کے جو فن پارے گزشتہ نصف صدی کے نمبروں میں بکھرے ہوئے تھے نیز ہر شخص کی دسترس سے باہر تھے تو ان سے ہر کسی کے لیے استفادہ کرنا ممکن نہ تھا نہ ان کی علمی اہمیت کے پیش نظر انھیں نظر انداز ہی کیا جا سکتا تھا۔ اس نمبر کے ذریعے ہر شخص کے لیے ان سے استفادہ کرنا ممکن ہو گیا ہے۔ اس میں اس عہد کے بہت سے ممتاز اہل علم و اصحاب نقد و نظر کے رشحات قلم شامل ہیں۔ یہ نمبر تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے حصۂ اول حیات و شخصیت کے تذکرے اور تعارف پر مشتمل ہے اور اس میں محققین غالب، مالک رام، مولانا امتیاز علی خاں عرشی، اور ڈاکٹر شوکت سبزواری کے مضامین شامل ہیں۔ دوسرا حصہ فکر و فن پر نقد و نظر کے لیے مخصوص ہے، اس میں بارہ مقالات ہیں اور لکھنے والے علامہ نیاز فتح پوری، مولانا حامد حسن قادری، مولانا غلام رسول مہر، فراق گورکھپوری، مجنوں گورکھپوری، آل احمد سرور، احتشام حسین، محمد عظیم فیروز آبادی، ڈاکٹر ابو محمد سحر، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، اور پروفیسر خلیل ہیں یہ تمام حضرات اس عہد کے مشہور محقق، نقاد اور صاحب طرز انشا پرداز ہیں ان کے مضامین کا تعارف تحصیل حاصل ہے۔ نمبر کا آخری حصہ "نقش ہائے رنگ رنگ" کے عنوان سے ہے اور تین مضامین پر مشتمل ہے، برہم ناتھ دت نے غالب کی فارسی شاعری پر تبصرہ کیا ہے، علامہ نیاز فتح پوری کے مضمون میں فارسی غزل گو شعرا میں غالب کا مرتبہ متعین کیا گیا ہے۔ اور ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے غالب اور فغانی کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے۔

تینوں مضمون فارسی شاعری کے عمدہ ذوق اور گہری نظر اور وسیع مطالعے پر مبنی ہیں۔۔

"نگار" کا یہ نمبر ہر طرح غالب کے شایان شان، علم و ادب کی بہترین خدمت کی مثال، لائقِ مطالعہ اور یادگار تبرک ہے۔

## ۱۸۔ "نیا دور" لکھنؤ

ایڈیٹر: خورشید احمد۔

ناشر: محکمۂ اطلاعات، حکومت اتر پردیش، لکھنؤ۔

ضخامت: دو سو صفحات۔

قیمت: ایک روپیا۔

تاریخ اشاعت: فروری مارچ ۱۹۶۹ء۔

"نیا دور" کا غالب نمبر ان چند نمبروں میں سے ہے جو معنوی خوبی اور ظاہری خوبصورتی دونوں کے اہتمام سے شایع ہوئے ہیں۔ اس نمبر میں تقریباً چالیس مضامین شامل ہیں، اکثر مضامین نہایت اعلا اور بلند پایہ ہیں، چند مضامین سرسری مطالعے اور سطحی اور عام معلومات و خیالات پر مبنی ہیں، عوام کی دلچسپی کے لیے چند مزاحیہ مضامین بھی شامل ہیں۔ غالب کی زمین میں طبع آزمائی اور منظوم خراج عقیدت کا حصہ بھی کافی وقیع ہے۔

غالب کی فارسی غزل پر سید اختر علی تلہری کا مضمون خاصے کی چیز ہے، انھوں نے نہایت نقادانہ طور پر غالب کی فارسی شاعری کا تجزیہ کیا ہے۔ مولانا امتیاز علی عرشی صاحب صدر ہر جا کہ نشیند صدر است کی حیثیت سے اس بزم میں بھی صدر ہی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ موصوف نے غالب کی ایک نادر فارسی مثنوی کے ترجمۂ منظوم "دعار الصباح" کا تعارف کرایا ہے۔ اس مثنوی کا مخطوط کتب خانۂ رام پور میں محفوظ ہے۔ ڈاکٹر سید اعجاز حسین اور ڈاکٹر گیان چند نے "ضرب الامثال اور غالب" اور محاورات غالب پر لکھا ہے۔ لسانیات اور قواعد کے لحاظ سے یہ نہایت اعلا پائے کے مضامین ہیں، ان کے مطالعے سے لسانیات و قواعد میں غالب کی مہارت تامہ اور انفرادیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ غالب کے تصورات، افکار اور فن پر سید شبیہ الحسن، مرزا جعفر حسین، ڈاکٹر امرت لعل عشرت، وجاہت علی سندیلوی، سید عرفت الاکرام، ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی، سعادت نظیر، علی رضا حسینی، شمس تبریز خاں، کاظم علی خاں، اخلاق حسین عارف، معین الدین حسن کاکوروی، اور ایم حبیب قیصری کے مضامین خاص طور پر قابل مطالعہ ہیں۔ حبیب احمد صدیقی، ڈاکٹر سلام سندیلوی، نجم الدین شکیب، رئیس مینائی، وغیرہ کے مضامین غالب کے حالات و سوانح، سیرت و اخلاق، ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اور غالب کے عہد پر ہیں اور رسالے کا یہ تاریخی حصہ نہایت اہم ہے۔ دیگر لکھنے والوں میں علی عباس حسینی، ڈاکٹر نیر مسعود، ڈاکٹر ابو محمد سحر، قاضی عبدالودود، نادم سیتاپوری، نثار احمد فاروقی، عبدالقوی دسنوی، ڈاکٹر محمود الحسن، نے غالب کی حیات یا فکر و فن کے کسی پہلو یا ان سے متعلق کسی کتاب کا تعارف کرایا ہے۔ نیز غلام احمد فرقت کاکوروی اور عبدالمجیب سہالوی کے مزاحیہ مضامین شامل ہیں۔

شعرا میں روشن صدیقی، جگن ناتھ آزاد، حفیظ بنارسی، نازش پرتاب گڑھی، سالک لکھنوی، عمر انصاری، شمیم کرہانی، وقار خلیل، کاوش بدری، ماہر بلگرامی، ندرت کان پوری، شاغل ادیب، رؤف خیر، سیف بجنوری وغیرہ قابل ذکر ہیں جنھوں نے غالب کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ اور ان کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔

مذکورہ مضمون نگار اور شعرا کے علاوہ بھی بہت سے مضامین نظم ونثر اس میں شامل ہیں۔ یہ نمبر ہر طرح غالب کی شخصیت اور ان کے فکر و فن کی عظمت کے شایان شان ہے۔ مضامین کا علمی و تنقیدی معیار بہت بلند ہے۔

یہ نمبر سفید کاغذ پر آفسٹ میں شایع کیا گیا ہے، غالب کی متعدد تصاویر، ان کی کئی کتابوں کے پہلے صفحات، متعدد عمارتوں اور غالب کی تحریروں کے عکس شامل ہیں۔

## ۱۹۔ ہلال، کراچی

مجلس ادارت: مشاور افتخاری، اللہ بخش راجپوت، مدیر معاون: زہرہ شہریار نقوی۔

ناشر: ادارہ مطبوعات پاکستان، کراچی۔

ضخامت: اڑتالیس صفحات۔

قیمت: پچاس پیسے۔

تاریخ اشاعت: فروری ۱۹۶۹ء۔

"ہلال" ہمارے ہی کا سرکاری رسالہ ہے اور پیش نظر شمارہ غالب کے تذکرے کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔ اس میں غالب کی یاد میں سات مضمون اور تین نظمیں ہیں۔ لکھنے والوں میں سید منصور علی سلیم سہروردی کا مضمون "جشن صد سالہ غالب" صرف جشن صد سالہ ہی کا تذکرہ نہیں بلکہ ان کی شاعرانہ عظمت اور عالمی حیثیت پر ایک اچھا تبصرہ بھی ہے۔ ڈاکٹر محمد ریاض نے غالب کے سوانح حیات اور کمالاتِ فن پر بحث کی ہے۔ حسنین کاظمی اور مجید یکتائی کے مضامین غالب کی فارسی شاعری کے تعارف پر مشتمل ہیں، علی حیدر ملک نے غالب کی تصانیف کا تذکرہ کیا اور ساتھ ہی نہایت جامع الفاظ میں تبصرہ بھی کیا ہے، ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے ناطق مکرانی اور غالب کے تعلقات پر روشنی ڈالی ہے اور دونوں کے فارسی کلام کا موازنہ کیا ہے، تمام مضامین قابل مطالعہ ہیں۔ اس نمبر کا ایک نہایت مفید مضمون فضل قدیر کا "ہنر لازوال چغتائی و غالب" کے عنوان سے ہے اور چغتائی کی شخصیت ان کے فن، غالب سے ان کی شیفتگی اور مرقع چغتائی کے تعارف و تذکرے پر مشتمل ہے۔ زہرہ شہریار نقوی نے "سخن ہائے گفتنی" کے عنوان سے ایک مفصل اداریہ تحریر کیا ہے اور یہ بجائے خود غالب پر ایک مقالہ ہے۔ مجید یکتائی، انوار حسین انوار اور صابر آفاقی نے منظوم خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ "ہلال" کا یہ نمبر پیش کرکے اہل ایران اور فارسی خواں طبقے میں غالب کے تعارف کی ایک نہایت کامیاب اور لائق تحسین کوشش کی گئی ہے۔

اس نمبر میں صادقین اور چغتائی کی چند نہایت نادر تصاویر کے عکس بھی شامل ہیں نیز غالب کی تصاویر، غالب کی تصانیف

کے سرورق اور تصاویر، ان سے متعلق دہلی و آگرے کی متعدد عمارات، ان کے بعض تلامذہ وغیرہ کی تصاویر بھی اس نمبر کی زینت ہیں۔ پورا پرچا آرٹ پیپر پر نہایت اہتمام سے شایع کیا گیا ہے۔ سرورق غالب کے اسکیچ سے مزین ہے۔

## ۲۰۔ "ہمدرد صحت ڈائجسٹ" کراچی

ایڈیٹر: حکیم محمد سعید۔

پتا: ہمدرد صحت، ناظم آباد، کراچی ۱۸۔

ضخامت: حصہ غالب صفحہ ۱۸ تا ۵۲۔

قیمت: ایک روپیہ پچاس پیسے۔

تاریخ اشاعت: فروری ۱۹۶۹ شمسی۔

"ہمدرد صحت" کی اس اشاعت میں غالب سے متعلق تین مضمون اور دو نظمیں شامل ہیں۔ نظموں کے خالق شاعر لکھنوی اور وحیدہ نسیم ہیں۔ انھوں نے اشعار میں غالب کی عظمت اور اس کے کمال فن کا اعتراف کیا ہے۔ مضمون نگار مسلم ضیائی، حکیم محمود احمد برکاتی اور عشرت رحمانی ہیں۔ مسلم ضیائی کی شہرت ماہر غالبیات کی حیثیت سے ہے اس لیے ان سے اچھے مضمون کی توقع بے جا نہیں۔ انھوں نے غالب کی ابتدائی شاعری کا نفسیاتی پس منظر بیان کیا ہے ان کا تجزیہ خوب اور لائق تحسین ہے۔ حکیم محمود احمد برکاتی کا ادبی ذوق نہایت پاکیزہ ہے اور وہ ایک ماہر طبیب بھی ہیں۔ انھوں نے "غالب اور طب قدیم" کے موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معنی کس طرح سمو دیے جاتے ہیں۔ عشرت رحمانی نے مرزا غالب کے کردار اور سیرت کا مطالعہ پیش کیا ہے۔ یہ مضمون شگفتہ نثر کا ایک اچھا نمونہ بھی ہے اور غالب کے حسن سیرت اور اخلاقی محاسن کا جامع بھی ہے۔

اس نمبر میں غالب اکیڈمی دہلی، غالب کی آخری آرام گاہ اور آگرے کے اس مکان کی جس میں غالب پیدا ہوئے تھے تصاویر بھی شامل ہیں۔ سرورق غالب کی ایک رنگین و دیدہ زیب تصویر سے آراستہ ہے۔

## ۲۱۔ "ہندوستانی ادب" حیدرآباد، دکن

ایڈیٹر: جی۔ ایم خاں، ایم۔ اے (عثمانیہ)۔

پتا: ۹۹-اے اعظم پورہ شرقی، حیدرآباد ۳۶ (آندھرا پردیش)۔

ضخامت: سو صفحات۔

قیمت: آٹھ روپے (سالانہ)۔

تاریخ اشاعت: جنوری تا مارچ ۱۹۶۹ء۔

"ہندوستانی ادب" کا معاملہ سب پرچوں سے الگ ہے، عام طور پر (بہ استثنائے غالب نمبر) اس کی کتابت طباعت اتنی خراب ہوتی ہے

اور اس کا رسم الخط ایسا ہوتا ہے کہ پڑھنے کو جی نہیں چاہتا لیکن علمی ادبی حیثیت سے اس کے مضامین ایسے ہوتے ہیں کہ انھیں نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ لوگ دل پر جبر کر کے پڑھتے ہیں لیکن خوش ہو جاتے ہیں۔ غالب کے سوانح حیات، شخصیت اور ان کے فکر و فن پر نہایت بلند پایہ علمی تحقیقی اور تفریحی مضامین شایع ہو چکے ہیں۔ ہندوستانی ادب کا غالب نمبر مضامین کا ایک نہایت عمدہ اور قابل توجہ انتخاب ہے۔ اس نمبر میں برصغیر پاک و ہند کے بہت سے محققوں، ادیبوں، شاعروں اور مزاح نگاروں کے مضامین نظم و نثر شامل ہیں۔ جن میں سے آل احمد سرور، مالک رام، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر احتشام احمد ندوی، مسلم ضیائی، ڈاکٹر نظام الدین، ڈاکٹر سید عبداللہ، رشید احمد صدیقی، عمر یافعی، راجا مہدی علی خاں، ڈاکٹر محمد حسین، احمد ندیم قاسمی وغیرہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

سفید کاغذ، کتابت طباعت اچھی اور غالب کی متعدد قلمی تصاویر بھی شامل ہیں

# ہفت روزہ و پندرہ روزہ رسائل

## ۱۔ "اخبار جہاں" کراچی

۲۶ فروری ۱۹۶۹ء

یہ غالب نمبر نہیں ہے لیکن اس میں چونکہ غالب سے متعلق کئی مضامین ہیں اس لیے اس سلسلے میں اس کا ذکر کر دینا نامناسب نہ ہوگا۔ اس میں صفحہ دو پر غالب کے پنسل اسکیچ کے ساتھ غالب کی ایک غزل درج ہے۔ صفحہ دس پر غالب اور مستشرقین کے عنوان سے ڈاکٹر شمل کے تاثرات و خیالات ہیں۔ یہ انٹرویو محمود شام نے لیا تھا۔ غالب پر مرزا ادیب کا مضمون نہایت مفید اور عظیم قادری صدف کا مضمون "غالب کی ازدواجی زندگی" خاصا دلچسپ ہے اس میں غالب کے بارے میں بعض غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ "رام پور اور غالب" کے عنوان سے نور الصباح بیگم نے چند معلومات کو ترتیب دیا ہے۔ نصیر شیخ ماندوی کے قلم سے غالب کے مکتوبات ہیں جو انھوں نے مرزا جمیل الدین عالی، مرزا ظفر الحسن، مولانا غلام رسول مہر اور فیض احمد فیض کو جنت سے لکھے ہیں ان میں انھوں نے (غالب نے) اپنی سوویں برسی کے اہتمام اور ان پر تحقیق اور تصنیف و تالیف کے کاموں پر اپنے مخصوص انداز میں تبصرہ کیا ہے۔ "غالب اور ہم" کے عنوان سے سعید رضا سعید کا مزاحیہ مضمون دلچسپ ہے۔ عادل ابراہیم نے چچا غالب کے عنوان سے بچوں کے لیے ایک مختصر سوانحی مضمون لکھا ہے۔

## ۲۔ "آہنگ" کراچی

ایڈیٹر: محشر بدایونی (سب ایڈیٹر) سلیمان پاشا

ناشر: ریڈیو پبلی کیشنز، اے گارڈن روڈ، کراچی ۳

قیمت: پچاس پیسے۔

تاریخ اشاعت: ۲۲ جنوری ۱۹۶۹ء

ریڈیو پروگرام میں بڑے اچھے مضامین اور دلچسپ فیچر بھی پیش ہوتے ہیں۔ بعض مضامین اور فیچر کبھی "آہنگ" میں یا کبھی کسی اور رسالے میں چھپ بھی جاتے ہیں لیکن عام طور پر بعد میں ان مضامین سے استفادے یا فیچروں سے لطف اندوز ہونے کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔ غالب سے متعلق پاکستان کے مختلف ریڈیو اسٹیشنوں سے بہت سے مضامین اور فیچر نشر ہوئے، ادارے نے یہ اہتمام خوب کیا کہ روز و شب پر مشتمل "آہنگ" کا غالب نمبر شایع کر دیا، لکھنے والوں میں صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، ممتاز حسین، ڈاکٹر اسلم فرخی، ناصر کاظمی، مختار صدیقی، علی سجاد میر، مرزا عابد حسین اور سید عابد رضوی ہیں۔ ان میں غالب کے سوانح، شاعری، فکر و فن، خطوط نگاری، بذلہ سنجی وغیرہ پر نہایت معلوماتی اور دلچسپ مضامین ہیں۔ زبان کے لحاظ سے نہایت آسان اور مطلب کے لحاظ سے معنی آفریں ہیں۔ یہ مضامین اور فیچر تعداد میں آٹھ ہیں۔ غالب کی زمین میں حفیظ ہوشیارپوری کی ایک غزل، علامہ اقبال کا منظوم خراج عقیدت بھی شامل ہے۔ ان کے علاوہ چھ مضامین کے طویل طویل اقتباس شامل ہیں یہ مضامین بھی غالب سے متعلق تھے اور پچھلے برسوں میں "آہنگ" میں شایع ہو چکے ہیں۔ ان کے لکھنے والے ڈاکٹر شوکت سبزواری، حامد حسن قادری، ڈاکٹر اختر مسعود رضوی، سید وقار عظیم، انعام الحق کوثر اور مقصود پرویز صاحبان ہیں۔ سرورق غالب کی ایک تصویر اور ان کے اشعار کے انتخاب سے مزین ہے۔ سرورق کے صفحہ دو پر غالب کی نثر کے نمونے درج ہیں۔ تمام مضامین مفید اور لائق مطالعہ ہیں۔

## ۳۔ قندیل، لاہور

ایڈیٹر: شیر محمد اختر۔

پتا: نوائے وقت بلڈنگس، ہفت روزہ قندیل لاہور۔

ضخامت: چوبیس صفحات۔

قیمت: تیس پیسے۔

تاریخ اشاعت: ۵ مارچ ۱۹۶۹ء۔

ہفت روزہ پرچوں میں صرف "قندیل" نے خاص نمبر نکالنے کا اہتمام کیا۔ اس نمبر میں غالب کی شخصیت و سوانح، فکر و فن اور ان کے فلسفہ و تصورات پر بارہ مضمون شامل ہیں۔ لکھنے والوں میں چند کے سوا تمام نوجوان ادیب شامل ہیں، یہ مضامین مفید اور خاصی معلومات پر مشتمل ہیں، نیز لکھنے والوں کی محنت لگن، ادبی ذوق اور غالب سے خلوص و عقیدت نے ان کی تحریروں میں ایک خاص دل کشی پیدا کر دی ہے۔ لکھنے والے یہ ہیں: اکبر حمیدی، شبیر اشرف، زاہد الحسن زاہد، اصغر یگانہ، مرزا ادیب، سیف دین پوری، احسن محب، قمر اقبال، محمد یوسف عاجز، ایم افتخار، اور راشد جاوید قاضی۔ نعیم نیازی نے بچوں کے شاعر کی حیثیت سے غالب کا بچوں سے تعارف کرایا ہے۔ نذر غالب کے عنوان سے منظومات کا حصہ بھی وقیع ہے۔ اس میں منظور حسین منظور ہاشمی، وجاہت حسنی پتی، شیر افضل جعفری، افتخار اجملی، ضیا شبنمی، کنیز النور جعفری، خلیق جعفری، خیال امروہوی نے

غالب کی عظمت اور اس کے فکر و فن کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ یہ نمبر اپنے تمام مضامین نظم و نثر کے لحاظ سے قابل مطالعہ اور رسمی نہیں واقعتاً ایک یادگار نمبر ہے۔ سرورق پر سلیم اختر کے قلم سے مرزا غالب کا اسکیچ ہے اور آخری صفحے پر غالب کے چار شاگردوں مجروح دہلوی، تفتہ سکندر آبادی، آرام اکبر آبادی اور ناظم رام پوری کی تصاویر ہیں۔

# اخبارات

## ۱۔ "امروز" لاہور

ضخامت : سولہ صفحات۔

قیمت : پچیس پیسے۔

تاریخ اشاعت : فروری ۱۹۶۹ء۔

روزنامہ امروز کی یہ ہفت روزہ اشاعت ہے جو غالب کے ذکر خیر کے لیے وقف ہے۔ وجاہت حسین سونی پتی، ڈاکٹر ناظر حسن زیدی، ابو الاعجاز صدیقی، احمد ندیم قاسمی، وجاہت علی سندیلوی، شمیم انجم، نذیر احمد خان، ظہیر احمد صدیقی، عبد القدوس نقوی، پروفیسر خلوت، عباد اللہ فاروقی، اور معراج نیر کے مضامین اس میں شامل ہیں۔ غالب کی چند تاریخی تصاویر، ان کی آرام گاہ اور غالب اکیڈمی دہلی کی تصاویر بھی شامل ہیں۔ سرورق بھی غالب کی ایک قلمی تصویر سے مزین ہے۔ مضامین غالب کی شخصیت، سوانح، اس کی شاعری کے مطالعے اور تجزیے، اور اس کی فنی خصوصیات اور سیرت کے بعض کمالات کے تذکرے پر مشتمل ہیں۔ دو ڈھائی صفحات میں غالب کے اشعار کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔ اس نمبر کے زیادہ مضامین اگرچہ مطبوعہ ہیں لیکن چونکہ عام لوگوں کے علم اور دسترس میں نہ تھے اس لیے ان کی اشاعت ایک مفید اور علمی خدمت ہے۔

## ۲۔ "جنگ" کراچی

ضخامت : بیس صفحات۔

قیمت : پچیس پیسے۔

تاریخ اشاعت : ۱۶ فروری ۱۹۶۹ء۔

"جنگ" کا یہ اتوار ایڈیشن عام اخباری سائز پر ہے۔ اس میں غالب پر تین مضمون، ان کی شان میں ایک قصیدہ اور غالب کی سوویں برسی کی تقریب سے اداریہ ہے۔ مضامین جمیل الدین عالی، ابن انشاء، اور پروفیسر احتشام حسین کے ہیں۔ احتشام حسین کا مضمون کہیں سے منقول و مقتبس ہے۔ رئیس امروہوی نے اپنا قصیدہ

"درطرح غالب" غالب کی عظمت اور کمال فن کو حرف خراج عقیدت ہی نہیں رئیس صاحب کی شاعرانہ عظمت، ان کے کمال فن پردال اور ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ سابق مدیر جنگ سید محمد تقی نے اپنے اداریے میں غالب کی تہذیبی وثقافتی عظمت پر نہایت معنی خیز اشارات کیے ہیں اور زیادہ اہتمام کے ساتھ ان کی یاد منانے اور انھیں یاد رکھنے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ اخباری سائز پر ہونے کی وجہ سے یہ نمبر محفوظ رکھنا مشکل ہے لیکن یہ اس قابل ہے کہ اسے محفوظ رکھا جائے۔

## ۳۔ "حریت" (ادبی گزٹ) کراچی۔

ضخامت : بارہ صفحات۔

قیمت : پچیس پیسے۔

تاریخ اشاعت : ۱۵ فروری ۱۹۶۹ء۔

"حریت" کی اس اشاعت میں مرزا غالب کی خود نوشت سوانح حیات اور چند دیگر تحریرات کا عکس شامل ہے۔ ان کے علاوہ نیاز جالندھری، رشید طلعت، مالک رام، ممتاز دانش اور سید مرتضیٰ حسین بلگرامی کے مضامین نیز کئی دوسرے مضامین شامل ہیں اگرچہ یہ مانگے کا اجالا ہے لیکن یہ ایک مفید پیش کش ہے اور نہایت سلیقے سے ترتیب دیا گیا ہے۔ غالب کی زندگی سے متعلق آگرے اور دہلی کی کئی عمارتوں کے فوٹو اور غالب کی چند تاریخی تصویروں کے عکس شامل ہیں۔ سرورق بھی غالب کی تصویر سے آراستہ کیا گیا ہے۔

## ۴۔ "کوہستان" لاہور۔

قیمت : پچیس پیسے۔

تاریخ اشاعت : ۱۶ فروری ۱۹۶۹ء۔

زیر نظر اشاعت میں خبروں کے صفحات کے ساتھ اخباری سائز کے آٹھ صفحات مضامین کے ہیں، ان میں سے چار صفحات میں غالب پر مضامین ہیں، صفحہ اول پر آغا محمد باقر کا وہ مضمون ہے جو غالب کے حالات میں "آب حیات" کے مسودے پر مبنی ہے اور "صحیفہ" لاہور کے غالب نمبر سے نقل ہوا ہے۔ دوسرا مضمون مالک رام کا ہے اور مختار ملک سے غالب کے تعلقات اور ان کی شان میں قصیدے کے تذکرے پر مبنی ہے۔ فرخ جلالی نے مدہوش بدایونی کے نام غالب کے ایک نایاب خط کا تعارف کرایا ہے۔ میکش بدایونی نے غالب اور تصوف کے موضوع پر اظہار خیال کیا ہے۔ چاروں مضامین نہایت عمدہ اور قابل مطالعہ ہیں۔ آغا محمد باقر کا مضمون تاریخی اہمیت کا حامل ہے، مالک رام کا مضمون علمی ہے، فرخ جلالی کا مضمون غالب کی ایک نایاب اور تاریخی تحریر اور اس کے تعارف پر مشتمل ہے۔ میکش مراد آبادی کا مضمون نہایت محنت سے لکھا گیا ہے اس میں غالب کے فکر وعمل کے بارے میں نہایت مفید معلومات واشارات ملتے ہیں۔

## ۵۔ "سنڈے مشرق" کراچی ولاہور

ضخامت : سولہ صفحات۔

قیمت : پچیس پیسے۔

تاریخ اشاعت : ۱۶ فروری ۱۹۶۹ء۔

روزنامہ "مشرق" کی اتوار کی یہ اشاعت غالب کے تذکرے کے لیے وقف تھی اس میں مشہور اہل قلم کے مضامین شامل ہیں۔ اس میں میرے اندازے کے مطابق عبدالسلام خورشید اور نصیر الدین کے مضامین کے سوا تمام مضامین مطبوعہ ہیں جو "فروغ اردو" لکھنؤ کے غالب نمبر "ماہِ نو" کراچی "صحیفہ" لاہور کے غالب نمبر اور رسالہ "اردو" سے نقل کیے گئے ہیں تمام مضامین مفید اور قابل مطالعہ ہیں۔ دیگر لکھنے والے یہ ہیں۔ شریف الحسن عثمانی، ڈاکٹر حکم چند نیّر، حمیدہ سلطان، نادم سیتاپوری، خیر بھوروی، فرقت کاکوروی، مولانا غلام رسول مہر، ڈاکٹر عبدالرحمان بجنوری، حامد اللہ افسر، محمد حسین شمس کاکوروی، خواجہ احمد فاروقی، مولوی مدن۔ یہ مضامین غالب کی حیات و شاعری کے مختلف پہلوؤں کے تعارف اور تذکرے پر مشتمل ہیں۔ متعدد اقتباس اور انتخاب اشعار غالب بھی شامل۔ اس میں آٹھ تصویریں مرقع چغتائی سے لی گئی ہیں۔ اس نمبر کے زیادہ مضامین چوں کہ "فروغ اردو" کے غالب نمبر سے منقول ہیں جو ہر صاحبِ ذوق کی دسترس سے باہر ہے اس لیے "مشرق" کی یہ خصوصی اشاعت اہل ذوق کی توجہ کا مرکز بنے گی۔ صفحہ اول مشتاق آرٹسٹ کی بنائی ہوئی بڑی سی رنگین تصویر سے مزین ہے۔

"امروز" "حریت" اور "مشرق" کی یہ خصوصی اشاعتیں روزناموں کے سائز کے نصف سائز پر ہیں اس لیے انھیں محفوظ رکھنے میں وہ دقت پیش نہیں آئے گی جو عام روزانہ اخبار محفوظ رکھنے میں پیش آتی ہے۔

# متفرقات

## ا۔ غالب ڈائری ۱۹۶۹ء

پیش کش : یونائٹڈ بینک لمیٹڈ، پاکستان۔

ضخامت : ۱۶۸ صفحات۔

غالب کی یاد میں بہت سے اداروں نے اپنی نوعیت اور حیثیت کے مطابق حصّہ لیا۔ لیکن یونائٹڈ بینک لمیٹڈ نے جس طرح غالب کی یاد منائی وہ بذات خود ایک یادگار چیز ہے۔ یونائٹڈ بینک نے اس موقع پر ایک ڈائری شایع کی ہے جو کہنے کو تو ۱۹۶۹ء کی ڈائری ہے لیکن وہ غالب کے کلام کا ایک عمدہ انتخاب بھی ہے اور غالب کے منتخب اشعار پر دنیا کے مشہور اور مشرق کے مایۂ ناز مصور صادقین کی بارہ شاہکار رنگین تصاویر کا ایک نہایت خوبصورت البم بھی ہے۔ اس طرح یہ ڈائری گویا دیوان غالب کا مصور ایڈیشن بن گئی ہے۔ غالب کے اشعار پر صادقین کی بنائی ہوئی یہ تصاویر ہر ماہ کے شروع میں ہیں۔ تصاویر سے پہلے سفید باریک کاغذ پر غالب کے وہ اشعار درج ہیں جنھیں تصویر کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔

ہر صفحہ چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر ورق کے صفحہ اول پر ربع آخر میں غالب کی غزل کے چار منتخب اشعار درج ہیں۔ اس طرح ترپن صفحات پر ترپن غزلوں کا انتخاب آگیا ہے۔ صفحہ کے باقی تین خانوں میں دن اور تاریخ درج ہے۔ اس کے علاوہ ابتدائی صفحات میں صادقین کے موقلم سے غالب کا اسکیچ، صادقین کے فن اور اس کی خصوصیات کا مختصر تعارف، حضرت علامہ اقبال کا غالب کو خراج عقیدت، غالب کے ایک مکمل قصیدے سے انتخاب، غالب کے ایک خط اور غالب کی مہر کا عکس، اوراق کے ایک ایک صفحے پر شامل ہیں۔

یہ ڈائری نہایت عمدہ، سفید، چکنے، موٹے، مضبوط کاغذ کے ایک سو چوالیس صفحات پر شایع ہوئی ہے جلد بھی اس کی شایان شان نہایت خوبصورت اور نرم و گداز ہے۔ غرض کہ یہ ڈائری نہایت حسین، دیدہ زیب، سلیقے اور ترتیب کا نادر نمونہ، علمی لحاظ سے نہایت مفید، غالب اور یونائٹیڈ بینک دونوں کے شایان شان، ہر طرح لائق تحسین اور زندہ جاوید کارنامہ ہے۔ ہم اہل ذوق و نظر سے اس کی پذیرائی کی توقع ہی نہیں رکھتے بلکہ اس کے حسن قبولیت کے نظارے ہمارے سامنے ہیں۔ یہ تحفۂ بے بہا جس کے ہاتھ لگا ہے وہ اپنے آپ کو بڑا خوش نصیب سمجھتا ہے۔

اس ڈائری کی پیش کش کے سلسلے میں ہم حسن عابدی صاحب چیرمین یونائٹیڈ بینک لمیٹڈ کے ذوق حسن و نظر اور مساعی جمیلہ کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اس کی ترتیب و اشاعت در اصل موصوف کے ذوق علمی و فنی اور دلچسپی کی رہین منت ہے۔

## ۲۔ تعارفِ غالب

مرتب: سیف سلطان پوری۔

ناشر: تحریار کر ڈسٹرکٹ کلچر ایسوسی ایشن، میرپور خاص۔

ضخامت: اٹھائیس صفحات۔

یہ مختصر کتابچہ غالب کے جشن صد سالہ کے موقعے پر شایع کیا گیا ہے۔ اس میں غالب کے خاندان و پیدائش سے لے کر وفات تک کے حالات، انتخاب کلام، چند لطائف، تصانیف کا تعارف، اور غالب کے بارے میں مشاہیر اصحاب نقد و نظر کی آرا شامل ہیں۔ شروع میں مرزا غالب کی تصویر اور غالب کے قلم سے ایک غزل کا عکس بھی شامل ہے۔ یہ تمام چیزیں ان تھوڑے سے صفحات میں بڑی خوبی سے ترتیب دے دی گئی ہیں جن سے غالب کی حیات اور ان کے فکر و فن کے ہر پہلو کا واقعی تعارف ہو جاتا ہے۔ محدود وسائل میں تعارف غالب کی یہ ایک قابل تحسین کوشش ہے۔

سفید کاغذ، کتابت و طباعت اچھی، خوبصورت پیپر بیک، برصغیر کے مشہور خطاط اور خوش نویس استاد محمد یوسف کے نقش تحریر سے مزین۔ قیمت درج نہیں اور شاید کچھ نہیں۔

## ۳- غالب نام آورم

ناشر : مجلس یادگار غالب، حیدرآباد۔

ضخامت : پانوے صفحات۔

تاریخ اشاعت : فروری ۱۹۶۹ء۔

یہ کتاب دراصل قلت وقت کی بنا پر کچھ نہ کر سکنے کی معذرت ہے لیکن یہ قلت وقت کے باوجود کچھ کر دکھانے کی صلاحیت کا اظہار بھی ہے۔ وقت اور وسائل کی کمی کی وجہ سے یہ ممکن نہیں ہو سکا کہ غالب پر کوئی تصنیف یا ان کی یاد میں مضامین کا کوئی مجموعہ شایع کیا جاتا اس لیے غالب کی یاد اور اظہار عقیدت کا یہ طریقہ نکالا کہ عبد الرحمان بجنوری سے لے کر نیاز جالندھری تک مشاہیر علم و ادب کی تحریروں کے اقتباسات کو جن میں غالب کی شاعرانہ عظمت اور ان کے فکر و فن کی خصوصیات کا اعتراف کیا گیا تھا ترتیب دے کر شایع کر دیا اور یہ بجائے خود ایک اچھی خدمت ہے۔ اس سے غالب کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ آخر میں دس بارہ صفحے میں غالب کے کلام کا انتخاب بھی شامل ہے۔

کاغذ سفید اور کتابت و طباعت اچھی ہے اور قیمت کے لحاظ سے سرِ دست نظر۔

## محاسن خطوط غالب

مصنف : ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔

ناشر : مکتبہ خیابان ادب ۲۹۔ چیمبرلین روڈ، لاہور۔

ضخامت : دو سو بیس صفحات۔

قیمت : پانچ روپے۔

غالب کی مکتوب نگاری، ان کے مکاتیب کے محاسن، ان کی فنی خصوصیات، ان کی علمی ادبی، تاریخی سوانحی حیثیات، مکتوب نگاری اور نثر نویسی کی روایت پر ان کے اثرات اور اردو ادب پر ان کے احسانات پر بہت سے ادیبوں اور نقادوں نے قلم اٹھایا، ان کے تجزیہ و بیان پر خوب خوب مباحث ہوئے پھر بھی ایک جامع اور مفصل بحث کی ضرورت باقی تھی۔ خوشی ہوئی کہ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار صاحب نے اس ضرورت کو نہ صرف محسوس کیا بلکہ نہایت جامعیت کے ساتھ ایک کتاب تصنیف کر دی۔

ڈاکٹر صاحب موصوف اردو کے بہترین ادیب ہیں، انھیں ادبیات پر کامل عبور اور زبان پر پوری قدرت ہے۔ ان کا انداز بیان نہایت شگفتہ ہے، وہ ذہن رسا اور اعلا ذوق تنقید کے مالک ہیں، انھوں نے خطوط غالب کا نہایت گہرا مطالعہ کیا ہے۔ ساتھ ہی عہد غالب کی علمی، ادبی، تہذیبی، سیاسی تاریخ پر ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ اس کے بعد انھوں نے خطوط غالب

کے محاسن پر قلم اٹھایا ہے۔ جن حضرات نے "صحیفہ" لاہور اور "اردو" کراچی کے غالب نمبروں میں موصوف کے مقالات دیکھے ہیں وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے موضوع کے تقاضوں سے نہایت کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے ہیں۔ انھوں نے موضوع کی علمی، ادبی حیثیت کے پیش نظر قلم اٹھایا ہے اور اپنی نکتہ رسی، اعلا ذوق تنقید اور شگفتہ نگاری کا اعلا نمونہ پیش کر دیا شروع میں خطوطِ غالب کے مختلف مجموعوں کا تعارف کرایا ہے اور غالب کی اردو نثر کی خصوصیات پر بھی نہایت جامع اور مفید بحث کی ہے

اس کے ساتھ خطوطِ غالب کا انتخاب بھی شامل ہے جس میں انیس حضرات کے نام غالب کے ایک سو اٹھارہ خطوط شامل ہیں۔ اس انتخاب میں غالب کے تمام اہم اور نمائندہ خطوط آگئے ہیں۔ آخر میں تشریحات کے عنوان سے چند صفحات ہیں جن میں خطوط کے تمام تشریح طلب الفاظ و اشخاص وغیرہ پر حواشی اور بعض مشکل الفاظ کے معنی تحریر فرمائے ہیں۔

کتاب سفید کاغذ پر ٹائپ میں خاص اہتمام کے ساتھ شایع کی گئی ہے۔

---

## غالب کی صد سالہ برسی پر انجمن کی مطبوعات

| | |
|---|---|
| فلسفۂ کلام غالب۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری | بارہ روپے |
| غالب، ایک مطالعہ۔ پروفیسر ممتاز حسین | سات روپے |
| مہر نیم روز (اردو ترجمہ) پروفیسر سید عبدالرشید فاضل | بارہ روپے |
| ہنگامۂ دل آشوب۔ مرتبہ سید قدرت نقوی | سات روپے |
| غالب نامہ آور "سہ ماہی" اردو میں غالب سے متعلق شایع شدہ مضامین کا انتخاب | پندرہ روپے |

انجمن ترقی اردو پاکستان، بابائے اردو روڈ کراچی ۱

# گردوپیش

## اردو ہر سطح پر رائج کی جائے

لاہور میں اردو انجمنوں کی مشاورتی کمیٹی کے سالانہ جلسے سے خطاب کرتے ہوئے مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے جج جناب جسٹس انوارالحق نے فرمایا کہ قومی زبان کی حیثیت سے ہر پاکستانی کو اردو کی اہمیت تسلیم کرنی چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ اردو کو عدالتی زبان کی حیثیت سے فوراً رائج کیا جائے، اگر یہ قدم اٹھانے میں مزید تاخیر کی گئی تو قوم کو سخت نقصان اٹھانا پڑے گا۔

ڈاکٹر سید عبداللہ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ جو لوگ اردو کو عدالتی زبان اور سرکاری زبان کی حیثیت سے اس کا جائز مقام دلانے کی کوشش کر رہے ہیں وہ انگریزی زبان کے مخالف نہیں ہیں بلکہ ان کا مطالبہ صرف یہ ہے کہ انگریزی کو بے جا اہمیت نہیں دی جانی چاہیے۔

## اردو کے نفاذ کا مطالبہ

ساہی وال میں انجمن عرائض نویسان کی پانچویں سالانہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں حکومت سے پر زور مطالبہ کیا گیا ہے کہ اردو زبان کو سرکاری دفتروں اور عدالتوں میں فوراً نافذ کیا جائے۔ کانفرنس میں مختلف مقررین نے قومی زبانوں کی اہمیت کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ قوم کے لیے یہ امر نہایت شرمناک اور اذیت ناک ہے کہ انگریزی زبان جو غلامی کے زمانے کی یادگار ہے، پاکستان کی قومی زبانوں کا حق غصب کیے بیٹھی ہے، مقررین نے زور دیا کہ یہ صورت حال فوراً ختم کی جانی چاہیے۔

## اردو کے ذریعے

لاہور میں ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کے سابق صدر جناب قیصر مصطفیٰ ایڈووکیٹ نے ایک بیان میں فرمایا کہ پاکستان اردو زبان کی بنیاد پر حاصل کیا گیا تھا، لہٰذا بہتری اسی میں ہے کہ اردو زبان کے ذریعے پاکستان کو مضبوط اور مستحکم بنایا جائے، اردو یہ اہم کام بخوبی انجام دے سکتی ہے کیوں کہ ملک کے چپے چپے پر اردو بولنے اور سمجھنے والے موجود ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ملک کو لسانی بنیادوں پر ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کا کوئی معقول جواز ہرگز موجود

نہیں ہے، مقامی زبانیں ہر سو دو سو میل کے فاصلے پر ایک دوسری سے مختلف ہو جاتی ہیں، صرف اردو پاکستان کی واحد زبان ہے جو ملک کی غالب اکثریت میں افہام و تفہیم کا موثر ذریعہ ہے۔

**اردو برطانیہ میں** یہ خبر نہایت مسرت سے پڑھی جائے گی کہ برطانیہ کی سیاسی اور سماجی تنظیموں نے اپنے نظریات، مقاصد اور لائحہ عمل وغیرہ کی تشہیر و اشاعت کے لیے اردو میں بھی لٹریچر چھاپنا شروع کر دیا ہے۔
برطانیہ کے علاقائی تعلقات کمیشن نے پاک و ہند کے تارکین وطن اور دوسرے اردو خوانوں کے لیے مختلف موضوعات پر اردو میں بھی کتابچے شایع کیے ہیں۔

**اردو تار** ایک اخباری اطلاع کے مطابق راولپنڈی کے مرکزی تار گھر نے کسی اطلاع کے بغیر اردو میں تار بھیجنے کا انتظام اچانک ختم کر دیا۔ ملک بھر کے اخبارات اور دانشوروں نے تار گھر کا یہ اقدام افسوس قرار دیا ہے، اور مطالبہ کیا ہے کہ اردو تار بھیجنے کا انتظام فوراً بحال کیا جائے۔

**صرف اپنی زبان** یہ خبر دلچسپی سے پڑھی جائے گی کہ لیبیا کی انقلابی حکومت نے غیر ملکی اثرات ختم کرنے کے لیے عربی زبان کے سوا ملک میں دوسری تمام زبانوں کا استعمال ممنوع قرار دے دیا ہے۔ انگریزی، رومن اور اطالوی زبانوں میں لکھے ہوئے تمام بورڈ ہٹا دیے گئے ہیں اور ان زبانوں کے تمام نشانات مٹا دیے گئے ہیں۔ لیبیا میں انگریزی اور اطالوی زبانوں کے اخبارات اب بھی شایع ہو رہے ہیں لیکن ان کے دروازوں پر سے نام وغیرہ مٹا دیے گئے ہیں۔ حکومت کی طرف سے حکم جاری کیا گیا ہے کہ، ڈاک کے ٹکٹوں، نوٹوں، پرمٹوں اور لائسنسوں پر صرف عربی زبان کے الفاظ ہونے چاہئیں۔

# علمی، ادبی، تعلیمی اور تہذیبی خبریں

**ڈاکٹر ممتاز حسن کے لیے اعزاز** کراچی میں ایک تقریب منعقد ہوئی جس میں پاکستان کے ممتاز ادیب اور عالم ڈاکٹر ممتاز حسن کو اطالوی طلائی تمغہ برائے ثقافت دیا گیا۔ طلائی تمغہ اور ڈپلوما دیتے ہوئے اطالوی قونصل جنرل ڈاکٹر سی اندریولی کومیلی نے کہا کہ ان کی حکومت نے ڈاکٹر ممتاز حسن کو یہ تمغہ اس خدمت کے صلے میں دیا ہے کہ انھوں نے دنیا کو پاکستان کی قدیم تہذیب سے روشناس کرانے کے سلسلے میں نمایاں کام کیا ہے۔ ڈاکٹر ممتاز حسن نے اس اعزاز کے لیے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا، کہ اطالیہ قدیم زمانے سے انسانی تہذیب میں پیش پیش رہا ہے۔

**ملا واحدی کے ساتھ ایک شام** کراچی میں راس مسعود ایجوکیشن اینڈ کلچر سوسائٹی پاکستان کے زیر اہتمام ممتاز اہل قلم اور صحافی حضرت ملا واحدی کے ساتھ ایک شام منائی گئی۔ اس تقریب میں حکیم محمد سعید دہلوی، جناب جلیل قدوائی اور دوسرے مقرروں نے ملا واحدی کی علمی، ادبی اور صحافتی خدمات پر انھیں زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ آخر میں ملا واحدی صاحب نے تفصیل سے اپنی زندگی کے حالات اور تجربات بیان کیے۔

### راس مسعود سوسائٹی کے لیے عطیہ

کراچی بلدیہ نے اورنگی ہلزا سکول ناریتھ ناظم آباد کراچی کی تعمیر کے سلسلے میں راس مسعود ایجوکیشن اینڈ کلچر سوسائٹی کو دس ہزار روپے کا عطیہ دیا ہے۔ اس سے قبل راس مسعود سوسائٹی کو کتابوں کی خریداری کے لیے ایک ہزار پانچ سو روپے دیے گئے تھے۔ گزشتہ سال سوسائٹی کو ویلفیئر گرانٹ میں بھی ڈھائی ہزار روپے دیے گئے تھے۔

### جرمن کتابوں کی نمائش

کراچی میں جمہوریہ مشرقی جرمنی کی بیسویں سالگرہ کے سلسلے میں ایک تقریب منعقد ہوئی جس میں جرمن کتابوں اور تصویروں کی ایک نمائش بھی منعقد کی گئی۔ اس نمائش کا افتتاح کرتے ہوئے پاکستان کے نامور شاعر اور دانشور جناب فیض احمد فیضؔ نے عوامی جمہوریہ جرمنی کی قیادت کو محنت سے کام کرکے مشرقی جرمنی کی از سرِ نو تعمیر کرنے پر زبردست خراجِ تحسین پیش کیا۔ انھوں نے کہا کہ یہ مسلسل محنت ہی کا نتیجہ ہے کہ مشرقی جرمنی دنیا کے صنعتی ترقی یافتہ ملکوں کی فہرست میں ساتویں نمبر پر ہے۔

اس تقریب کے خصوصی مہمان سید ہاشم رضا تھے انھوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ مشرقی جرمنی میں شایع ہونے والی کتابیں دیکھ کر میں بہت خوش ہوا ہوں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مشرقی جرمنی کے عوام کو علم و تعلیم سے بے انتہا محبت ہے۔

### بزمِ فروغِ اردو

ملتان میں زبان و ادب اور نئے مصنفین کی حوصلہ افزائی کے لیے ایک نئی انجمن "بزمِ فروغِ اردو" کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ اس انجمن کے زیر اہتمام وقتاً فوقتاً علمی و ادبی تقریبات منعقد ہوا کریں گی۔

### بنگالی شاعر عبدالکریم

ڈھاکا میں بنگالی زبان کے مشہور شاعر عبدالکریم کی سویں سالگرہ کے موقع پر جناب انعام الحق کی صدارت میں ایک جلسہ منعقد ہوا اس جلسے کا اہتمام بنگالی اکیڈمی نے کیا تھا۔ جلسے میں مختلف شعرا اور ادبا نے عبدالکریم کی شاعری اور شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔

## ماتم میں ہم شریک

### مولانا عبدالقادر

ملک کے ممتاز عالم اور دانشور جناب مولانا عبدالقادر راجشاہی میں ۷ ۲/اکتوبر ۱۹۶۹ء کی صبح کو دل کے شدید دورے کے باعث انتقال فرما گئے۔ مرحوم کی عمر ۷۴ سال تھی، مرحوم پشتو زبان کے متبحر عالم اور محقق تھے اور پشتو اکیڈمی کے ڈائرکٹر بھی تھے۔ مرحوم کے انتقال سے پاک و ہند کے علمی حلقوں میں صفِ ماتم بچھ گئی ہے۔

### محمد اجمل خاں

۱۸/اکتوبر ۱۹۶۹ء کو دہلی میں محمد اجمل خاں صاحب کا انتقال ہوگیا، اجمل خاں برصغیر پاک و ہند کی مشہور علمی شخصیت تھے۔ انجمن ترقیٔ اردو کے علمی رسالے "اردو" میں ان کے متعدد بلند پایہ مضامین شایع ہو چکے ہیں یہ مضامین مرحوم نے مولانا ابوالکلام آزاد کے مشورے اور ہدایت کے مطابق لکھے تھے اور بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم نے انھیں بہت پسند کیا تھا۔

مرحوم نے مختلف علمی، ادبی اور تحقیقی موضوعات پر مقالات لکھے ہیں۔ ان کی علمی و تدریسی زندگی کا آغاز شانتی نکیتن سے ہوا جہاں وہ استاد تھے۔ تقریباً تئیس (۲۳) برس تک مولانا ابوالکلام آزاد کے پرائیویٹ سکریٹری رہے۔ مرحوم کی طویل علمی، ادبی اور سیاسی خدمات کا لحاظ کر کے مولانا آزاد کی وفات کے بعد انھیں راجیا سبھا کا ممبر منتخب کر لیا گیا تھا لیکن آخری دور میں ان کی صحت بہت خراب رہنے لگی تھی، بینائی بھی کمزور ہو گئی تھی اس وجہ سے وہ عملی سیاست اور علمی کاموں سے الگ ہو گئے تھے۔

ان کے پیش نظر کئی علمی کام تھے خصوصاً قرآنی علوم کے بارے میں وہ اپنے خیالات، معلومات اور تحقیقات منضبط کرنا چاہتے تھے۔

**مضطر نظامی**

گزشتہ دنوں لاہور میں اردو کے شاعر اور ادیب، خدا بخش مضطر نظامی کا انتقال ہو گیا۔ ادارہ "قومی زبان" اس سانحے پر مرحوم کے اقربا، اعزا اور پسماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے اور ان سے ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔

---

# برہان علی شاہ مخمور
## شاگردِ داغ

تحسین سروری

والیٔ رامپور نواب کلب علی خاں خلد آشیاں کے انتقال کے بعد ریاست کے حالات موافق نہ رہے تو نواب میرزا داغ دہلوی مجبوراً دلی لوٹ آئے لیکن معاش کی کوئی صورت نہ ہونے کی وجہ سے سخت پریشان رہے۔ یہ واقعہ ہے ۱۸۸۸ء کا۔ آخر دلی سے بھی چل پڑے اور لاہور، امرتسر، کشن کوٹ، اجمیر، آگرہ، علی گڑھ، متھرا، جے پور اور ریاست منگرول کا سفر کیا جہاں آپ کے شاگردوں اور قدردانوں نے آپ کی دل کھول کر مہمانداری کی۔ لیکن اس سفر سے حضرت داغ کا دل ٹھکانے نہ ہوا ؎

جہاں آباد ہر منزل ہے اے داغ
قدم باہر نکالا جب مکاں سے

حقیقت یہ ہے کہ رامپور میں جو آسودہ حالی نصیب تھی وہ کسی جگہ بھی ممکن نہ ہوئی۔ نواب کلب علی خاں جیسے قدردانِ علم و فن کے انتقال کے بعد حضرت داغ اپنے کو بے سہارا محسوس کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ دنیا میں ان سے زیادہ کوئی نامراد نہیں ہوگا ؎

نواب نے کی جو قدردانی میری
اے داغ گزر گئی جوانی میری
لیکن یہ خبر نہ تھی کہ وقتِ پیری
مر مر کے کٹے گی زندگانی میری

قسمت آزمائی کے ارادے سے ۱۳۰۵ھ (۱۸۸۸ء) میں وہ حیدرآباد بھی گئے۔ اس سے پہلے ہی اہلِ حیدرآباد میرزا داغ کے نام اور ان کے کلام سے واقف تھے۔ ان کے دواوین "آفتابِ داغ" اور "گلزارِ داغ" وہاں خاصے مقبول تھے۔ باہر سے جو ناٹک کے کھیل آتے ان میں اکثر داغ کی غزلیں گائی جاتی تھیں اسی طرح طوائفیں بھی داغ کا کلام سوغات کے طور پر حیدرآباد لے جایا کرتی تھیں۔ اس کے علاوہ چند شعرائے حیدرآباد مراسلت کے ذریعے داغ کے شاگرد ہو چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی داغ حدودِ

حیدرآباد میں داخل ہوئے ایک دھوم مچ گئی اور جگہ جگہ مشاعرے ہوئے۔ انھوں نے حیدرآباد میں پہلی مرتبہ جو طرحی غزل پڑھی وہ ان کی مشہور غزلوں میں سے ہے ؎

لے چلا جان مری رُوٹھ کے جانا تیرا
ایسے آنے سے تو بہتر تھا نہ آنا تیرا
آرزو ہی نہ رہی صبح وطن کی مجھ کو
شام غربت ہے عجب وقت سُہانا تیرا
کعبہ و دیر میں یا چشم و دل عاشق میں
انھی دو چار گھروں میں ہے ٹھکانا تیرا

اسی طرح میں ایک اور غزل حرف ردی (د) کے التزام کی سنائی ؎

داغ ہر اک کی زباں پر ہو فسانا تیرا
وہ دن آتے ہیں وہ آتا ہے زمانہ تیرا
میرزا داغ ہو یا شاہ دکن! مورد لطف
اور دن رات رہے جشن شہانہ تیرا

اسی زمانۂ قیام حیدرآباد میں کئی نوجوان شاعر حضرت داغ کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہوئے اُن اولین شعرا میں میر محمد علی موسوی راسخ اور ان کے پھوپھی زاد بھائی ڈاکٹر میر مہدی حسین آکم حیدرآبادی بہت مشہور ہیں۔

رفتہ رفتہ داغ کی آمد حیدرآباد کی اطلاع غفراں مکان نواب میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس کو ہوئی۔ چندو ز بعد راجہ گردھاری پرشاد باقی عرف بنسی راجا کی معرفت جشنگاہ سلطانی میں داغ نے اپنی پہلی عرضداشت بھیجی، جس کے بعد حکم باریابی آیا۔ داغ نے حاضر دربار ہوکر قصیدہ پڑھا۔

میں ہوا بادیہ پیما طرف ملک دکن
سُرمہ چشم غزالاں ہوئی گردِ دامن

باریابی کی تاریخ بھی نکالی تھی ؎

قدم بوسی حضرت کا حاصل ہوا
بڑے شوق سے اور ارمان سے
حضوری کی تاریخ پوچھیں اگر

یہ کہہ دو ملے داغ سلطان سے" (۱۳۰۵ھ)

اس کے بعد کئی ماہ تک داغ نے انتظار کیا لیکن دربار میں طلبی نہ ہوئی۔ جس وقت وہ حیدر آباد گئے تھے، انھیں وہاں کے مصارف کا پورا اندازہ نہ تھا، اس لیے روپے کے انتظام کے لیے واپس دلی جانا پڑا۔ اس بار انھوں نے بنگلور اور بمبئی کا بھی سفر کیا۔ اس طرح انھیں حیدر آباد سے گئے ہوئے دس ماہ ہوگئے پھر یکایک حضور نظام نے آپ کو یاد کیا۔ چنانچہ نواب بہادر الدولہ مدار الملک کے ذریعے حضرت داغ کو اطلاع دی گئی۔ اس کے بعد کے حالات سید علی احسن احسن مارہروی کے الفاظ میں ملاحظہ ہوں:

دس ماہ کے بعد مرزا صاحب پھر حیدر آباد میں تشریف لائے اور مستقل قیام کیا جس وقت آپ مولوی سیف الحق صاحب کے قریب مکان قیام پذیر تھے، آپ کے دوست مولوی ظہور علی صاحب ساکن اٹاوہ وکیل ریاست حیدر آباد آپ کو اپنے مکان میں لے آئے تھے اور یہیں تا صدور فرمان ملازمت مقیم رہے۔ غرہ خورداد ماہ الٰہی مروجہ ریاست حیدر آباد دکن ۱۲۹۷ف مطابق ۷ر اپریل ۱۸۸۸ء کو آپ حیدر آباد میں تشریف لائے اور ساڑھے تین سال کامل امیدواری کی۔ حیدر آباد کی امیدواری کا زمانہ اور اس کے مصارف وہی لوگ خوب جان سکتے ہیں جنھوں نے ہماری طرح یہاں رہ کر امیدواروں کو دیکھا ہے اور خود بھی مزا چکھا ہے۔ بڑے بڑے مستقل مزاجوں کو دیکھا ہے کہ ایسی امید و بیم کی حالت میں اپنی طبیعت کے انتشار سے ہمت ہار بیٹھے ہیں مگر میرزا صاحب ابتدا ہی سے شاہی دربار کی خوبو سے واقف تھے اور وہاں کے کل معاملات کو اچھی طرح سمجھتے تھے، آپ کے پائے استقلال کو ذرا بھی لغزش نہ ہوئی اور ع مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست، پر عمل رہا۔ چنانچہ دبر آید درست آید کے موافق ۲۶ر جمادی الثانی ۱۳۰۸ھ روز یک شنبہ ۹ بجے شب کو مولوی ظہور علی صاحب کے مکان پر فرمان رحمت نشان یعنی بندگان عالی متعالی اعلیٰ حضرت آصف سادس ادام اللہ ملکہ' و اقبالہٗ کی غزل ایک مہر شدہ لفافے میں چند چوبدار لے کر حاضر ہوئے۔ اور زبانی یہ کہا کہ صبح ۸ بجے حاضر دربار ہونے کو ارشاد ہوا ہے آپ نے اسی وقت اس غزل کو دیکھ کر واپس کیا اور علی الصباح حسب الطلب حاضر ہو کر نذر دی۔ اس تاریخ سے یہ سلسلۂ اصلاح شروع ہو گیا اور روزانہ مراحم خسروانہ بڑھتے گئے۔ اس تقرر سے نو مہینے کے بعد ۲۰ر ربیع الاول ۱۳۰۹ھ ۱۹ر آذر ۱۳۰۱ف کو ایک مراسلہ نشان (۷۵) علاقہ پولیٹیکل فینانس سے اس مضمون کا صادر ہوا کہ سرکار نے آپ کے نام

چار سو پچاس روپے سکہ حالی ماہوار وظیفہ ابتدائے ورود سے مقرر ہوا ہے تین برس تک یہی وظیفہ ملتا رہا۔ اس کے بعد ۹ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ بحکم سلطانی آپ کا وظیفہ ایک ہزار روپے ماہوار مقرر ہوا اور جب سے آپ وارد حیدرآباد ہوئے اس تاریخ سے تا صدور حکم مذکور ایک ہزار روپے ماہوار کے حساب سے رقم خزانہ شاہی سے عطا کی گئی اس اضافے کی تاریخ آپ نے یہ فرمائی ہے

ہو گیا میرا اضافہ آج دونے سے سوا
یہ کرم اللہ کا ہے یہ عنایت شاہ کی
اس ترقی کی کہو لے داغ یہ تاریخ تم
ابتدا سے اپنی ساڑھے پانسو نقدی بڑھی (۱۳۱۲ھ)

اب تک آپ کو محلات شاہی کی کچہری سے جو صرف خاص سے متعلق ہے ایک ہزار روپے سکۂ حالی ماہوار اب خاص کی مد میں ملتے رہتے ہیں علاوہ اس تنخواہ کے وقتاً فوقتاً بنگلہ سلطانی سے مختلف عطیات بھی پاتے ہیں ایک گاؤں کا مزرعہ جس کو حیدرآباد میں مقطعہ بھی کہتے ہیں مع ایک باغ بندگان عالی متعالی دام اقبالہم نے خرید فرما کر آپ کو عطا کیا ہے

(جلوۂ داغ مطبوعہ ۱۹۰۱ء)

اس طرح حضرت داغ نے حیدرآباد میں تقریباً ۱۵ سال تک عیش و عشرت اور کروفر کی زندگی گزاری دربار نظام سے حضرت داغ کو جو خطابات ملے وہ یہ ہیں :

"استاد السلطان، بلبل ہندوستان، جہاں استاد، ناظم یار جنگ، دبیر الدولہ، فصیح الملک نواب میرزا خان بہادر داغ"

پہلے ۱۳۱۶ھ میں بیوی کا انتقال ہوا۔ اس کے چھ سال بعد ۹ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۵ء) کو خود چل بسے۔ شہر حیدرآباد کی مشہور درگاہ یوسف صاحب شریف صاحب کے احاطے میں بیوی کی قبر سے متصل مدفون ہوئے کہتے ہیں کہ داغ کے انتقال پر جتنی تاریخیں کہی گئیں شاید ہی کسی شاعر کے لیے کہی گئی ہوں۔ داغ کے انتقال کی تاریخ، جس میں اکثر شاعروں کو توارد ہوا وہ "نواب میرزا داغ" ہے۔ یعنی ان کے نام ہی سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ سید رضی الدین حسن کیفی کہتے ہیں "داغ نواب میرزا گفتم" (۱۳۲۲ھ) اور نواب مشرف جنگ (نیا حق) نے فرمایا "ہائے لطف شاعری جاتا رہا" (۱۳۲۲ھ) اور فصلی تاریخ بھی

کیفی نے اچھی نکالی ہے۔

یہ قیامت تک کسی کے دل سے مٹنے کا نہیں
مادہ تاریخ کا داغ فصیح الملک ہے ( ۱۳۱۴ ف )

(داغ " از نور اللہ نوری ص ۲۴)

استاد داغ دہلی کے آخری شاعر تھے جو زندگی ہی میں اتنے مقبول و محترم سمجھے گئے اور ساری دنیا نے انھیں متفقہ طور پر استاد سخن مانا۔ یہی وجہ ہے کہ تلامذہ داغ اقصائے ہند میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مولانا احسن مارہروی نے دوران قیام حیدر آباد تلامذہ داغ کا باقاعدہ ایک رجسٹر بنایا تھا۔ لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اب وہ رجسٹر کہاں ہے۔ اور اس میں کل کتنے تلامذہ داغ کا اندراج ہوا تھا۔ مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ "کچھ اوپر پانچ ہزار شاگرد ہوئے۔ اور ان میں سے بہت سے ایسے کہ برسوں ان کی خدمت میں رہے" لیکن میرا خیال ہے کہ مرزا صاحب نے تلامذہ داغ کا جو تخمینہ بتایا ہے اس میں اضافے کی بہت گنجائش ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا، غائبانہ ہی حیدر آباد کے کچھ شاعر مراسلت کے ذریعے داغ کے حلقۂ تلامذہ میں شریک ہو چکے تھے۔ جب داغ نے حیدر آباد میں مستقل سکونت اختیار کر لی تو ظاہر ہے پورا شہر ٹوٹ پڑا ہوگا داغ ایک تو استاد السلطان ہو چکے تھے دوسرے اس وقت ان کے پائے کا ہندوستان میں کوئی اور استاد نہ تھا۔ ان کی زباں دانی، فصاحت و سلاست اور عام پسند اسلوب کے ڈنکے بجے ہوئے تھے ایسے استاد بے بدل سے فیضیاب ہونے کا بھلا کون آرزو مند نہ ہوا ہوگا

میں نے اپنی ابتدائے عمر میں آٹھ دس حیدر آبادی تلامذہ داغ کو حیدر آباد میں نہ صرف دیکھا ہے بلکہ ان کی زبانی ان کا کلام بھی سنا ہے۔ ان تلامذہ داغ کا بھی بہت بڑا سلسلہ تھا۔ اس اعتبار سے جدید رجحانات کے اثر و نفوذ سے قبل تک حیدر آباد کی دنیائے شاعری پر داغ کا رنگ چھایا ہوا تھا۔ مجھے حیدر آباد کے سن رسیدہ شاعروں کی زبان سے دلی کے محاورے سن کر تعجب ہوتا تھا۔ اب سمجھ میں آتا ہے کہ یہ سب استاد داغ کی تربیت زباں کے دور رس نتائج تھے۔

حضرت داغ کے تلامذہ حیدر آباد پر بھی علاحدہ کام کیا جا سکتا ہے۔ لیکن افسوس کہ عام طور پر ۳۰۔۴۰ سے زائد نام نہیں ملتے۔ ان میں بھی چند ہی ہیں جو صاحب دیوان اور مشہور ہیں۔ نواب میر محبوب علی خاں نظام سادس کے بعد جو آصف تخلص کرتے تھے، حسب ذیل حیدر آبادی تلامذہ داغ نے اپنے استاد کی لے کو آگے بڑھانے کی سعی کی ؛۔

میر مہدی حسین اکمل، سید منتخب الدین تجلی، میرزا غلام مصطفٰی رسا۔ نواب عزیز یار جنگ

عزیز، سید رضی الدین حسن کیفی، سید عبد الصمد اصفی، مرزا مظفر حسین بارق،
نواب میر حسن علی خاں امیر، میر محمد علی موسوی رنج، محمد عبد الحمید آزاد، سید اعجاز علی
شہرت، نواب عزیز جنگ ولا، وغیرہ

میں نے داغ کے حیدر آبادی تلامذہ کی جو تعداد بتائی ہے ان کے نام چند تذکروں اور اس وقت کے گلدستوں سے دستیاب ہوتے ہیں۔ ان میں سے اکثر کے مطبوعہ دیوان بھی موجود ہیں، لیکن جن کے دیوان طبع نہیں ہوئے یا جن کے نام کسی تذکرے یا گلدستے میں نہیں ہیں ایسے تلامذۂ داغ بھی کئی ہوں گے۔ چنانچہ اس وقت میں ایک ایسے ہی تلمیذ داغ کا تذکرہ کروں گا۔

مجھے 'نہال سخن' نام کا ایک مجموعۂ غزلیات ملا ہے جس کا دوسرا نام 'جزئیات مخمور' ہے۔ یہ مجموعہ محلہ محبوب شاہی (حیدر آباد دکن) کے مطبع گلزار احمدی میں چھپا تھا، سرورق کو چھوڑ کر یہ کل ۸۰ صفحات کا مجموعہ ہے صفحہ ۱ پر 'بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' کے اوپر کسی قدر جلی قلم سے پوری سطر کی یہ عبارت ہے:-

جناب برہان علی شاہ صاحب المتخلص بہ مخمور حیدر آبادی تلمیذ عالی جناب نواب میرزا خان صاحب داغ دہلوی ؒ

صفحہ ۲۴ کے آخر میں غزل ختم ہونے کے بعد "تمت گردید" موٹے حروف میں لکھا ہے صفحہ ۲۵ سے صفحہ ۲۷ تک اس چھوٹے سے مجموعۂ کلام کا ایک ضمیمہ بھی ہے۔ آخر میں صفحہ ۲۸ پر اس وقت کے مشہور شاعر میر تراب علی زور کے تین قطعات تاریخ ہیں جن سے واضح ہے کہ یہ مجموعۂ غزلیات ۱۳۰۶ھ میں طبع ہوا تھا، ہر صفحے پر سادہ جدولیں بنی ہوئی ہیں، اور ہر نئی غزل 'غزل' کے عنوان سے شروع کی گئی ہے جس کے ایک طرف غزل کا نمبر اور دوسری طرف تعداد اشعار بھی لکھی ہے۔ ضمیمہ سمیت مخمور کے اس مجموعۂ غزلیات میں کل ۳۰ غزلیں اور ان کے اشعار کی مجموعی تعداد ۳۶۰ ہوتی ہے۔

مخمور حضرت داغ کے حلقۂ تلامذہ میں کب شامل ہوئے، اس کا تعین کرنا کوئی مشکل نہیں اس لئے کہ مخمور کے اس مجموعۂ کلام کی تاریخ طباعت سنہ ۱۳۰۶ھ موجود ہے اس سے کچھ ہی عرصہ پہلے داغ وارد حیدر آباد ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ "نہال سخن" کے صفحہ ۹ پر 'غ' کی ردیف میں غزل در مدح استاد خود گوید" کے عنوان سے جو سات اشعار درج ہیں وہ شاہد حال ہیں کہ حضرت داغ جب اول مرتبہ حیدر آباد گئے تھے اور شاعروں کے ساتھ مخمور نے بھی داغ کی شاگردی اختیار کی۔ اس مدحیہ غزل میں داغ کے دو دواوین 'آفتاب داغ' اور 'گلزار داغ' کا بھی ذکر ہے۔ جس کا مطلب یہ کہ اس وقت تک شعرائے حیدر آباد میں کلام داغ کافی مقبول ہو چکا تھا، مدحیہ غزل کا مطلع اور مقطع ملاحظہ ہو ؎

رونق فزا دکن میں ہوئے جب جناب داغ
تازہ ہوا ہر اک کی زباں پر خطاب داغ
بس بے ادب بہت رہا استاد کے بغیر!
مخمور چل کے چوم لے اب تو رکاب داغ

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ داغ کی شاگردی اختیار کرنے سے قبل مخمور کا کلام مقدار میں بہت تھوڑا تھا، اور شاگردی کے بعد کا کلام بھی کچھ زیادہ نہ تھا، لیکن شاعر کی عجلت پسند طبیعت نے جتنا کچھ سرمایہ تھا اس کو ردیف وار جمع کر کے چھپوا دیا۔

مخمور کے کلام میں شروع سے آخر تک یکسانیت ہے، حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ استاد سے راست تعلق پیدا ہونے کے بعد اس کے رنگ سخن میں کچھ تبدیلی آجاتی۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ مخمور شروع ہی سے داغ سے متاثر تھے، اور اپنے پسندیدہ شاعر کے رنگ میں مشق کرتے کرتے خود ان کا ایک رنگ بن گیا تھا جس کو داغ کا تقلیدی رنگ کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔ تہال سخن میں داغ کی زمینوں میں کچھ غزلیں ہیں۔ ان میں یقیناً بعض اس وقت کہی گئی ہوں گی جبکہ داغ ابھی دکن نہیں گئے تھے ان میں چھ غزلوں کے مطلعے یہ ہیں:۔

ایسی شہرت ہے کہ ہر جا ہے فسانہ تیرا — ایک میں کیا کہ ہے مدّاح زمانہ تیرا

---

خونِ جگر میری غذا ہوگیا — عشق میں یہ حال مرا ہوگیا

---

تھما یہ کبھی دیدۂ گریاں نہیں دیکھا — ایسا بھی کسی کا غمِ ہجراں نہیں دیکھا

---

تماشا ہے وہ پیچھے آج جو چلمن کے بیٹھے ہیں — ہزاروں شوق میں دیدار کے درشن کے بیٹھے ہیں

---

صدمے ہزار دل پہ ہوں لب پر فغاں نہ ہو — دل کی جو بات ہے وہ کسی پر عیاں نہ ہو

---

غم دل ہر اک سے بیاں ہو رہا ہے — سب اظہار رازِ نہاں ہو رہا ہے

---

صدائے نالہ پہنچی آسماں تک — یہ شور و غلِ دلِ مضطر کہاں تک

برہان علی شاہ مخمور حیدرآبادی کا مجموعۂ کلام "نہال سخن" دستیاب ہونے کے بعد میں نے ان کے حالات کی تلاش شروع کی۔ ان کے تمام معاصر تذکرے چھان ڈالے، لیکن ان کے متعلق معمولی سا اشارہ تک نہیں ملا۔ اسی طرح حیدرآباد کے تمام معروف اور غیر معروف گلدستوں میں تقریباً تمام ہی تلامذۂ داغ کے نام ملتے ہیں، سوائے برہان علی شاہ مخمور کے۔ اس چھان بین میں مخمور کے دو قطعات تاریخ ملے جو استاد داغ کے دیوان "مہتاب داغ" میں شامل ہیں۔ یہ دو دو شعر کے قطعات ہیں۔ "مہتاب داغ" کا سال طباعت ۱۳۱۰ھ (۹۳-۱۸۹۲ء) ہے۔ دوسرا تین شعر کا قطعہ تاریخ ہے جو داغ کے مشہور شاگرد میر محمد علی موسوی سرخ حیدرآبادی کے دیوان "مخبر عشق" کے آخر میں متعدد تلامذۂ داغ کے قطعات کے ساتھ چھپا ہے۔ سرخ کا دیوان "نہال سخن" کے چھ سال بعد ۱۳۱۲ھ میں چھپا تھا۔ بس اس کے علاوہ نہال سخن سے باہر مخمور کا کہیں نام نہیں ملا۔ زمانۂ مابعد کے تذکرہ نگاروں اور نقادوں نے معمولی معمولی شعرائے حیدرآباد پر قلم اٹھایا ہے، لیکن مخمور جیسے قابل لحاظ شاعر کے کلام کا ان کی نظر سے نہ گزرنا تعجب سے خالی نہیں۔ اس کا بظاہر سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ نہال سخن پر تعداد اشاعت صرف (۱۰۰) درج ہے۔ ان ایک سو جلدوں میں سے ضائع ہو کر جو نسخے بچ رہے ہوں گے ان کی حیثیت مخطوطات سے کم نہ ہوگی کیا عجب کہ "نہال سخن" کے اس وقت دو چار ہی نسخے رہ گئے ہوں۔

البتہ معاصر تذکروں اور گلدستوں میں مخمور کا نام اور کلام کے نہ ہونے کی کوئی خاص وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ بحالت موجودہ یہ بتانا بھی مشکل ہے کہ مخمور کا کس خاندان سے تعلق تھا۔ ان کے نام کے ساتھ "شاہ" کے لفظ سے گمان ہوتا ہے کہ وہ کسی درگاہ کے تکیہ دار یا پیرزادے ہوں گے۔ لیکن اس قیاس کو خود ان کے کلام سے کوئی خاص تقویت نہیں پہنچتی۔ کبھی یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ شاید وہ حیدرآباد کے کسی جاگیردار خاندان کے فرد ہوں گے ایک مقطعے میں کہتے ہیں ؎

دکن سے اٹھ گیا دل اپنا اے مخمور بالکل اب
ارادے پر کمر باندھے ہوئے لندن کے بیٹھے ہیں

ظاہر ہے اس زمانے میں کوئی اہل ثروت ہی لندن کے سفر کا ارادہ کر سکتا تھا۔ لیکن یہ خیال بھی زیادہ درست نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ یہاں شاعر نے "لندن" محض قافیہ پیمائی کے لیے لکھا ہے۔ مخمور کا ایک اور شعر ہے ؎

گرم بازار ہے میخواروں کا اس جا مخمور
میں بھی شمپین کا بیوپار کروں یا نہ کروں

یہاں "شمپین" بھی محض التزاماً معلوم ہوتا ہے۔

غرض مخمورؔ کے متعلق فی الحال خارجی یا داخلی مواد کا فراہم ہونا سخت محال ہے۔ یہ ان متعدد شاعروں میں سے ایک ہیں جو زمانے کے انقلاب انگیز طوفان میں ایک تنکے کی طرح بہہ کر بے نام ونشان ہوگئے۔ مخمورؔ کے وجودِ ظاہری کا ثبوت ہتاب داغ اور مخبرِ عشق میں ان کے قطعات کی شمولیت سے ملتا ہے۔ نواب ۔ مرزا سراج الدین احمد خاں سائل نے حیدر آباد سے ۱۳۲۱ھ (۱۹۰۳ء) میں 'معیار الانشاد' نام کا جو گلدستہ جاری کیا تھا اس کے چند شمارے میری نظر سے گزرے ہیں کسی میں بھی مخمورؔ کا نام نہیں ملا۔ یوں تو یہ گلدستہ کسی گروہ یا حلقے کے لیے مخصوص نہ تھا، لیکن زیادہ تر تلامذۂ داغ کا کلام اس میں شائع ہوا کرتا تھا۔ لیکن برہان علی شاہ مخمورؔ اس محفل تلامذۂ داغ سے غائب ہیں۔ بالآخر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ مخمورؔ حیدر آبادی نوجوانی ہی میں ۱۳۱۲ھ کے بعد اور ۱۳۲۱ھ سے قبل انتقال کر گئے۔ چونکہ انھوں نے اپنا کوئی ضخیم دیوان نہیں چھوڑا تھا اور جو چھپ چکا تھا وہ اس وقت کے استادانِ سخن کے نزدیک قابل اعتنا نہ تھا اس لیے اس بدنصیب شاعر کا نام اور کلام گمنامی کی نذر ہوگیا۔

مخمورؔ کے کلام میں اگرچہ اپنے استاد کی خصوصیات بہت کم ہیں لیکن روانی، برجستگی اور کیف و سرمستی میں دوسرے تلامذۂ داغ کے مقابل رکھا جا سکتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مخمورؔ حیدر آبادی داغؔ کی شاگردی اختیار کرنے سے قبل بھی داغؔ کا کلام رغبت سے پڑھتے اور سنتے رہے۔ اور ان کے رنگ تغزل کو اپنا رہنما بنا لیا اور جب داغؔ خود وارد حیدر آباد ہوئے تو ان کے آگے زانوئے تلمذ تہ کر کے اپنے توسنِ طبع کو مہمیز کیا۔ لیکن ان کا رنگِ سخن پختہ نہ ہونے پایا تھا کہ ان کی حیات نے وفا نہ کی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک نومشق یا کم تربیت یافتہ شاعر کے کلام میں جو اسقام ہو سکتے ہیں وہ بھی مخمورؔ کے کلام میں موجود ہیں چند شعروں میں تو حیدر آبادی محاورہ آگیا ہے۔ مثلاً

لگا کے داغِ جدائی دل پر فلک نکالا غبار اپنا　　(علامت فاعل نے کا حذف)

---

جو شکل دِکھتی تھی لگا ہے گا ہے تو یہ بھی ظالم کو خوش نہ آیا　(دِکھتی تھی بجائے دکھائی دیتی تھی)

---

متاعِ دل تو لجا چکے ہو پھر آکے مجھ کو کیوں چھیڑتے ہو　(لجا کے بجائے لے جا کے نیز کیوں کا وزن)

---

حاصل ہوا اخیر نتیجہ یہ صبر کا　　(اخیر۔ بجائے آخر یا آخر کار)

---

تیرے رخ کی چمک قمر میں نہیں
تیرے کاکل کی بو اگر میں نہیں (اگر بجائے اگر بتی)

---

اردو کے بعض الفاظ حیدرآباد میں املا کے فرق کے ساتھ بولے جاتے ہیں اس کی بھی چند مثالیں محمودؔ کے اشعار میں موجود ہیں۔ ؎

سونگتے ہی زلف کو ہوش آگیا (سونگھتے)
سم بھی میرے حق میں دوا ہوگیا

---

دل لے کے مکرتا ہے وہ عیار سر بزم
دھیٹ ایسا کوئی ہم نے تو یہاں نہیں دیکھا (ڈھیٹ)

---

مے الفت سے ہوں مخمور بعد قتل بھی دیکھو
لڑکتا سوئے میخانہ ہے سر آہستہ آہستہ (لڑھکتا)

---

ایسا غم فراق نے لاغر بنا دیا
اک رُوں مثا بھی جسم پہ بار گراں ہے اب (رونگٹا)

---

لیکن، کلام محمودؔ میں ایسے استقام کی مثالیں بہت کم ہیں۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ محمودؔ کے ہاں محاسن زیادہ ہیں، اردو محاورے کے خلاف چند شعر کہنے والے شاعر نے اچھے شعر زیادہ کہے ہیں۔ غرض یہ کہ برہان علی شاہ محمودؔ حیدرآبادی ایک گمنام شاعر ہونے کے باوجود اس قابل ضرور ہے کہ اس کے کلام کو دوبارہ شایع کیا جائے۔ لہذا میں اپنے معروضات کو ختم کرتے ہوئے نہال سخن کو پیش کر رہا ہوں۔

---

# نہال سخن

جناب برہان علی شاہ صاحب المتخلص بہ مخمور حیدرآبادی تلمیذ عالیجناب نواب میرزا خان صاحب داغ دہلوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱ ۱۹

ایسی شہرت ہے کہ ہر جا ہے فسانا تیرا ایک میں کیا کہ ہے مداح زمانا تیرا
ہے غضب دیدۂ تر جوشش میں آنا تیرا گل کھلائے نہ کہیں خون بہانا تیرا
یہ تڑپنا یہ مچلنا یہ ستانا تیرا اے دل اچھا نہیں یہ شور مچانا تیرا
گر خدا روٹھے تو اک دم میں منالیں بخدا پر نہ ہے مشکل بتِ بے مہر منانا تیرا
لے پری زلف کو تو بہرِ خدا صاف نہ کر شل نہ کردے کہیں شانے کو یہ شانا تیرا
حال دل ان سے جو کہتا ہوں تو وہ کہتے ہیں دور رہو، ہم نہیں سنتے یہ فسانا تیرا
آگیا ناک میں دم ہائے تری وحشت سے دل مضطر کہیں لگ جائے ٹھکانا تیرا
عرصۂ حشر میں حسرت سے نظر کرتا ہوں کوئی میرا نہیں، ہے سارا زمانا تیرا
بعدِ مُردن بھی مری خاک اُڑائی تو نے نہ گیا اب بھی فلک ہائے ستانا تیرا
دردِ دل سن کے شبِ وصل وہ کہتے ہیں غلط میرے آنے کے لئے تھا یہ بہانا تیرا
مچھلیاں بن گئیں، تھالے بنے شکلِ حباب شعلہ رو آگ لگاتا ہے نہانا تیرا
تو ہی تو صاف مرے دل میں نظر آتا ہے میرا سینہ ہے کہ ہے آئنہ خانا تیرا
دوست احباب چھٹے مجھ سے مگر اے ظالم خانۂ غیر میں چھوٹا نہیں جانا تیرا
کبھی بے ہوش کیا ہوش میں لاتا ہے کبھی کبھی چھپ جانا کبھی سامنے آنا تیرا
غیر پر ظلم بھی تیرا ہو تو رشک آئے مجھے ناوک افگن، ہو مرا دل ہی نشانا تیرا
مجھ پہ ہر روز نیا ظلم بپا کرتا ہے آج کل ڈھنگ اُڑاتا ہے زمانا تیرا
یوں ہی آہستہ خرامی ہے تو مرجائیں گے ہم کیا قیامت ہے نزاکت سے یہ آنا تیرا

دل و دیں نذر کیا سر بھی کیا تجھ پہ نثار　　کون سا حکم بھلا ہم نے نہ مانا تیرا

بوسہ لینے پہ وہ جھنجلا کے یہ بولے شب وصل
دیکھ اچھا نہیں مخمورؔ ستانا تیرا

## ۲　　غزل　　۱۰

خونِ جگر میری غذا ہو گیا　　عشق میں یہ حال مرا ہو گیا
خوبیٔ قسمت تو ذرا دیکھئے　　وصل میں وہ مجھ سے خفا ہو گیا
سونگھتے ہی زلف کو ہوش آ گیا　　سم بھی مرے حق میں دوا ہو گیا
کہتے ہیں وہ سن کے مصیبت مری　　جانے دو جو کچھ کہ ہوا ہو گیا
آہ و فغاں کیوں نہ کروں بہرِ دل　　تھا جو رفیق اپنا جدا ہو گیا
بوسہ جو مانگا تو وہ کہنے لگے　　تجھ کو یہ کیسا خبط نیا ہو گیا
معجزہ ہے یا یہ کرامات ہے　　تم نے زباں سے جو کہا ہو گیا
ہم کو تو بوسہ نہ ملا آپ سے　　غیر کو در پردہ عطا ہو گیا
ہائے کدھر جاؤں میں ڈھونڈوں کہاں　　تھا ابھی دل یاں مرا کیا ہو گیا

کل وہ غزل گائے جو مخمورؔ کی
بزم میں اک شور بپا ہو گیا

## ۳　　غزل　　۱۵

تمنا کبھی یہ دیدۂ گریاں نہیں دیکھا　　ایسا بھی کسی کا غمِ ہجراں نہیں دیکھا
اس دل کو کبھی خرم و شاداں نہیں دیکھا　　آباد ہو یہ خانۂ ویراں نہیں دیکھا
جیسا کہ ہے گل رویوں سے گلزار زمانہ　　ایسا کوئی سرسبز گلستاں نہیں دیکھا
چاہا ہے تجھے ایک زمانے نے ہمیشہ　　بر آتے کسی کا کوئی ارماں نہیں دیکھا
جیسا کہ مرا خانۂ دل اجڑا ہوا ہے　　ایسا کوئی گھر میں نے تو ویراں نہیں دیکھا
زاہد نے خدا کو نہیں دیکھا نہیں پایا　　گر اس نے جمالِ رخِ جاناں نہیں دیکھا
وہ لے گیا دل کو ابھی پہلو سے چرا کر　　کیا تو نے اے دیدۂ حیراں نہیں دیکھا

کچھ عہد شکن کے تجھے وعدے کا یقیں ہے
تجھ سا بھی جہاں میں دلِ ناداں نہیں دیکھا

خود کام ہر اک دوست جہاں میں نظر آیا
جو خاص محبت کا ہو خواہاں نہیں دیکھا

دل لے کے مکرتا ہے وہ عیار سرِ بزم
وحشت ایسا کوئی ہم نے تو مہاں نہیں دیکھا

میں نے کوئی دم راحت و آرام نہ پایا
آنکھوں نے کبھی عیش کا ساماں نہیں دیکھا

اُس بت کی عجب شان ہے جو سامنے آیا
پھر ہم نے مسلماں کو مسلماں نہیں دیکھا

کس سر میں تری زلف کا سودا نہیں پایا
کس دل میں ترے عشق کو پنہاں نہیں دیکھا

اس نے رخِ تاباں سے نقاب الٹی تو ہم نے
خورشیدِ درخشاں کو درخشاں نہیں دیکھا

سب جانتے ہیں آپ کا عاشق ہے پُرانا
کیا آپ نے مخمورؔ کو نالاں نہیں دیکھا

۴۴ ## غزل ۲۰

دل کو میرے ہائے یہ کیا ہو گیا
کس پری کا اس پہ سایا ہو گیا

غیر کا اس پر اجارہ ہو گیا
یار اپنا دوسرے کا ہو گیا

کس پہ پردے نے لیا کیا ہو گیا
دل خدا جانے کہ کس کا ہو گیا

دل میں اک داغِ تمنا ہو گیا
روز کا قسمت میں رونا ہو گیا

وصل کی شب میں بھی اک میرا رقیب
آپ کے پہلو کا تکیہ ہو گیا

ایکدم پہلو میں دم لیتا نہیں
کچھ عجب اس دل کا نقشا ہو گیا

تیری غفلت سے مریضِ ہجر کا
کام پورا اے مسیحا ہو گیا

غم کے ہاتھوں ہجر کی شب اے صنم
کیا بتائیں ہم پہ کیا کیا ہو گیا

وائے حسرت ہم تو یوں ہی رہ گئے
غیر سے ملنے کا وعدا ہو گیا

ایک لحظہ بھی نہیں ہوتا ہے دور
غم تو گویا اپنے گھر کا ہو گیا

ہو گیا برباد راہِ عشق میں
دل کا آخر یہ نتیجا ہو گیا

کیا بتائیں حال جسمِ زار کا
سوکھ کر فرقت میں کانٹا ہو گیا

دل پہ کس کی آنکھ نے جادو کیا
تھا ابھی اچھا ابھی کیا ہو گیا

پھر کریں کس کا بھروسہ عشق میں
دل ہی جب دشمن ہمارا ہو گیا

اس قدر فرقت میں رویا ہوں ترے — خون کا صحرا میں دریا ہو گیا
شہرۂ آفاق اب تم ہو گئے — اک جہاں عاشق تمہارا ہو گیا
میری آہِ پر شرر تو دیکھئے — خاک سب جل بُھن کے صحرا ہو گیا
شیخ بھی پینے لگے اب تو شراب — دور سب دنیا سے تقویٰ ہو گیا
دوستوں میں دوستی کی بو نہیں — کیا محبت کو خدایا ہو گیا

عشق میں محمودؔ صاحب آپ کا
حال غم کھا کھا کے کیسا ہو گیا

## ۵ وله ۲۰

دردِ سر پھر مجھ کو پیدا ہو گیا — پھر مجھے زلفوں کا سودا ہو گیا
کس کی ابرو کا اشارا ہو گیا — دل جو اپنا پارا پارا ہو گیا
غم سے گھل کر جسم آدھا ہو گیا — ہائے میں کیسا تھا کیسا ہو گیا
شیخ بھی اس بت پہ شیدا ہو گیا — کفر اور اسلام اک جا ہو گیا
میرے دل کی بھی بر آئی آرزو — آپ کا وعدہ بھی ایفا ہو گیا
گرچہ رسوا ہو گئے الفت میں ہم — حسن کا تیرے جو چرچا ہو گیا
مر گیا کوئی بلا سے مر گیا — آپ کا مطلب تو پورا ہو گیا
عشق زلفوں کا یہ کر پھنس جائیگا — اے دلِ ناداں تجھے کیا ہو گیا
مجھ کو معاذ اللہ خلد میں بھی اے صنم — تیرے کوچے کا ہی دھوکا ہو گیا
دوست بھی دشمن بنا ہی یا نصیب — دل جو اپنا تھا پرایا ہو گیا
عشق ابرو دل سے اب جاتا رہا — زخمِ دل صد شکر اچھا ہو گیا
دل ہوا شق القمر کی طرح دو — جب اُس ابرو کا اشارا ہو گیا
رنج و غم سے اک گھڑی فرصت نہیں — سر بسر میں غم کا پتلا ہو گیا
مثلِ بسمل دل مرا تڑپا تو خیر — آپ کا تو اک اشارا ہو گیا
وصل کا ارمان ہجرِ یار میں — زیست کا اپنے سہارا ہو گیا
کس طرح دل دے کے لیں اس شوخ سے — اور غضب یہ ہے کہ مچلا ہو گیا

سہتے سہتے روز کے تیرے ستم — اپنا پتھر کا کلیجا ہو گیا
دوست بھی کرتے ہیں اب شکوہ مرا — تیری الفت میں یہ درجا ہو گیا
گر تمہاری زلفِ پُرخم میں نہیں، — پھر مرے پہلو سے دل کیا ہو گیا

حضرتِ مخمورؔ کا بھی خیر سے
خوب ہر محفل میں چرچا ہو گیا

## غزل

۶ ۵

ایک دن یار دکھائے رخِ روشن اپنا — کب تلک آتشِ فرقت میں جلے تن اپنا
دستِ وحشت کی ہوئی دست درازی یاں تک — نہ گریباں ہے درست اور نہ دامن اپنا
ہجر میں تیرے گنے جاتے ہیں کافر لے بت — بانگِ ناقوس بھی ہے خلق میں شیون اپنا
ذکرِ خوش وضعِ گل پیرہن آیا بلبل — نہ گلا کاٹ دے ہر شاخِ گلشن اپنا

روح جاوے گی نہ فردوس میں مخمورؔ اپنی
ہو اگر یار کے کوچے ہی میں مدفن اپنا

## غزل

۷ ۷

بتائیں تم کو کیا اے عزیزو خراب ہے حالِ زار اپنا — لگا کے داغِ جدائی دل پر فلک نکالا غبار اپنا
جو شکل دکھتی تھی گاہے گاہے تو یہ بھی ظالم کو خوش نہ آیا — نکالا گھر ہی سے آخرش کو چھڑایا ہم سے دیار اپنا
لحد کی تنگی کا غم نہیں ہو کہ جب کی جب دیکھ لیں گے واعظ — ہوں زندہ درگور ہجر سے میں، ہے گھر ہی کنجِ مزار اپنا
متاعِ دل تو لیجا چکے ہو پھر آکے مجھ کو کیوں چھیڑتے ہو — چلو، ہٹو، جاؤ سرکو سرکو پرے رکھو آپ پیار اپنا
کروں میں کیا سیرِ بوستاں کی غمِ جدائی میں اے رفیقو! — کہ رشکِ گلزار کب نہیں ہے یہ سینۂ داغدار اپنا
تری خوشامد ہی کیا ہے قاصد نہیں لیجاتا تو خط نہ لیجا — کہ ہر گھڑی ہر پہر ہر اک پل رواں ہے آنسو کا تار اپنا

ملے ہو تنہا نہ چھوڑوں گا اب کہ میں بھی مخمورؔ نام کا ہوں
لگا کے چھاتی سے تم کو پیارے نکالوں گا سب بخار اپنا

# ردیف الباء

## غزل

۸ ۱۶

بوڑھے ہوئے شباب کا موسم کہاں ہے اب
وہ عشق و عاشقی کا زمانہ کہاں ہے اب

جو آنکھیں تیری دید سے خورسند تھیں مدام
فرقت میں ان سے خون کا دریا رواں ہے اب

حاصل ہوا اخیر نتیجہ یہ صبر کا
شوخی وہ تجھ میں اے دلِ مضطر کہاں ہے اب

ہنس ہنس کے ذکرِ عیش گزشتہ تو سن چکے
دل کو ذرا سنبھالو کہ غم کا بیاں ہے اب

کیا پوچھتے ہو خانۂ دل کی خدا بیاں
آباد گھر جو تھا وہی اجڑا مکاں ہے اب

ایسا کبھی ہنسے نہ تھے ایامِ وصل میں
جیسے غمِ فراق میں آہ و فغاں ہے اب

یاں تک ہے دل میں تیری محبت بسی ہوئی
دن رات تیرا نام ہی وردِ زباں ہے اب

اتنا تو رشک سے مجھے برباد کر دیا
باقی کچھ اور دل میں ترے آسماں ہے اب

دو دن میں آپ نے مجھے دل سے بھلا دیا
وہ لطف وہ کرم وہ محبت کہاں ہے اب

کس طرح ہو سکے درِ دلدار تک گزر
جو تھا رقیب اپنا وہی پاسباں ہے اب

کیا خاک بہرِ سیر گلستاں میں جائیں ہم
ہم کو غمِ فراق ہے گل کو خزاں ہے اب

اے ہجرِ یار تو نے ستایا ہے رات بھر
اک وہ گھڑی تو سونے دے وقتِ اذاں ہے اب

ایسا غمِ فراق نے لاغر بنا دیا
اک رو نٹا بھی جسم پہ بارِ گراں ہے اب

اس بے کسی میں کوئی نہیں میرا غمگسار
اک دوست پوچھیے تو غمِ جاوداں ہے اب

حاضر ہے تیغ اور گلا، قتل کیجیے
منظور میرے صبر کا گر امتحاں ہے اب

ساقی کے دم کے ساتھ ہی مخمور سب گئے
مے ہے نہ میکدہ ہے نہ پیرِ مغاں ہے اب

# ردیف الغین

## غزل در مدح استاد خود گوید

۹ ۷

رونق فزا دکن میں ہوئے جب جنابِ داغ
تازہ ہوا ہر اک کی زباں پر خطابِ داغ

---

ا اصل کتاب میں مطلع کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہیں۔

روشن جہاں کی بزم ہے اشعارِ داغ سے ۔۔۔ تاباں ہے اوجِ دہر پہ کیا آفتابِ داغ
ہر سمت دھوم دھام ہے گلزارِ داغ کی ۔۔۔ کیا کھل رہا ہے باغِ جہاں میں گلابِ داغ
کرتے ہیں سالکانِ دکن اشتیاق سے ۔۔۔ وردِ زباں کلامِ نزاکت مآبِ داغ
ہوں گے تو ہوں گے اگلے زمانے میں ایسے لوگ ۔۔۔ اس دہر میں تو کوئی نہیں ہے جوابِ داغ
جی چاہتا نہیں کہ نظر سے جدا کریں ۔۔۔ صورت ہے ماہ رویوں کی گویا کتابِ داغ

بس بے ادب بہت رہا استاد کے بغیر
مخمورؔ چل کے چوم لے اب تو رکابِ داغ

## ردیفُ المیمُ

### ۱۰ غزل ۹

گھر میں جب تجھ کو نہیں پاتے ہیں ہم ۔۔۔ سنگِ در سے سر کو ٹکراتے ہیں ہم
تیرا غصہ دیکھ کے اے شعلہ خو ۔۔۔ بید کے مانند تھراتے ہیں ہم
آج قسمت آزمائی کے لئے ۔۔۔ کوچۂ دلدار میں جاتے ہیں ہم
ایک تیرے عشق میں اے بے وفا ۔۔۔ سو طرح کے رنج و غم کھاتے ہیں ہم
گل میں بلبل میں چمن میں باغ میں ۔۔۔ ہر جگہ جلوہ ترا پاتے ہیں ہم
کچھ نہ دنیا میں کیا کارِ ثواب ۔۔۔ ہائے خالی ہاتھ ہی جاتے ہیں ہم
روز کہتے تھے کہیں مرتا نہیں ۔۔۔ لو مبارک ہو کہ مر جاتے ہیں ہم
ان کا کہنا یاد ہے صبحِ وصال ۔۔۔ لے خدا حافظ ترا جاتے ہیں ہم

یاد ہے کہنا ترا سو ناز سے
یہ غزل مخمورؔ کی گاتے ہیں ہم

## ردیفُ النونُ

### ۱۱ غزل ۱۰

تماشا ہے وہ چھپے آج جو چلمن کے بیٹھے ہیں ۔۔۔ ہزاروں شوق میں دیدار کے درشن کے بیٹھے ہیں

کئی مشتاق ابرو کے کئی چتون کے بیٹھے ہیں　　کئی طالب ترے ابھرے ہوئے جوبن کے بیٹھے ہیں
الٰہی کیا غضب ہے وصل میں بھی ایک بوسے پر　　دم بیٹھے چھپا کر منہ کو وہ یوں بن کے بیٹھے ہیں
قدیموں کا جو ذکر آیا، کیسا میری طرف ایسا　　کہ یہ اک عاشق صادق مرے بچپن کے بیٹھے ہیں
بلانے کا کسی کے قصد ہے یا آپ جانے کا　　کوئی تو بھید ہے جو آپ یوں بن ٹھن کے بیٹھے ہیں
یہ سن کر داغ حسرت دل میں میرے بیٹھ جاتا ہے،　　کہ وہ ہے غیر کی محفل میں اور تن تن کے بیٹھے ہیں
ذرا پردہ اٹھا کر دیکھ تو اے غیرت لیلےٰ　　کہ کتنے رشک قیس آ کے ترے مسکن کے بیٹھے ہیں
نہیں ہیں کاکلیں خمدار اس رخسار زیبا پر　　یہ کالے ناگ بازو میں رخ روشن کے بیٹھے ہیں
کفن کو چیر کر میں قبر میں کیونکر نہ اٹھ بیٹھوں　　کہ وہ ماتم کو میرے سامنے مدفن کے بیٹھے ہیں

دکن سے اٹھ گیا دل اپنا اے مخمور اب بالکل
ارادے پر کمر باندھے ہوئے لنڈن کے بیٹھے ہیں

۱۲　　## غزل　　۱۴

حسن اخلاق جس بشر میں نہیں　　آدمی وہ مری نظر میں نہیں
تیرے رخ کی چمک قمر میں نہیں　　تیرے کاکل کی بو اگر میں نہیں
آنکھ میں پھرتے دل میں رہتے ہیں　　آپ کیا دل میں ہیں نظر میں نہیں
ہے خدا سب جگہ مگر پنہاں　　ایک مہمان کس کے گھر میں نہیں
تیرے دنداں کا وصف کیا کیجیے　　یہ جلا دانۂ گہر میں نہیں
عشق کا کل کا مٹ گیا دل سے　　اب وہ سودا ہمارے سر میں نہیں
ایک ٹکڑے سے گر تو ایک ہے چاک　　زخم کیا دل میں ہے جگر میں نہیں
دیکھ کر چاک میرے سینے کو　　طاقت بخیہ بخیہ گر میں نہیں
راہ الفت میں خاک پھانکتی ہو　　حاجت توشہ اس سفر میں نہیں
بیکسوں پر ہی ظلم کرتا ہو　　رحم کچھ چرخ فتنہ گر میں نہیں
جس طرح ہے مرا گریباں چاک　　چاک یوں دامن سحر میں نہیں
برچھیاں کھائیں تیرے مژگاں کی　　اب وہ طاقت دل و جگر میں نہیں
مجھ سا مخمور میکدہ میں کہاں،　　مجھ سا عابد خدا کے گھر میں نہیں

بہرِ گلگشت جائیں کیوں مخمورؔ
رشکِ گل داغ کیا جگر میں نہیں

## غزل

۱۳ — ۱۱

دارُوئے دردِ دلِ زار کروں یا نہ کروں
فکرِ بیماریٔ بیمار کروں یا نہ کروں

حالِ اندوہِ دل اظہار کروں یا نہ کروں
منکشف ان پہ یہ اسرار کروں یا نہ کروں

آجکل طفلِ برہمن سے ہے صحبت مجھ کو
زیبِ تن رشتۂ زنّار کروں یا نہ کروں

فکر ہے آگ نہ لگ جائے زمانے کو کہیں
آہ پر سوز و شرر بار کروں یا نہ کروں

مجھ کو بدنام کیا تیری ہی بے تابی نے
شکوہ اے دل ترا ہر بار کروں یا نہ کروں

ساتھ چلنے کو مجھے کہتے ہیں وہ غیر کے گھر
ہے کشش و پنج کہ انکار کروں یا نہ کروں

طبعِ نازک سے میں ڈرتا ہوں خفا ہو نہ کہیں
آہ و نالہ پسِ دیوار کروں یا نہ کروں

جس کا عاشق ہے خدا بھی یہ وہ بت ہے زاہد
جاں نثار ایسے پہ سو بار کروں یا نہ کروں

یار پہلو میں ہے اور ساغرِ مے ہے لب پر
شکرِ حق طالعِ بیدار کروں یا نہ کروں

وصل پورا نہ ہوا تھا کہ جدائی دیکھی
شکوۂ چرخِ ستمگار کروں یا نہ کروں

گرم بازار ہے مے خواروں کا اس جا مخمورؔ
میں بھی شمپین کا بیوپار کروں یا نہ کروں

## غزل

۱۴ — ۱۰

عبث ہم حالِ دل اپنا انھیں سمجھائے جاتے ہیں
کہ وہ تو آپ اپنے حسن پر اترائے جاتے ہیں

وہ جب ہوتے ہیں تنہا وصل میں گھبرائے جاتے ہیں
ہمیں جانے دو جاتے ہیں یہی فرمائے جاتے ہیں

جھلک اپنی دکھا کر منہ چھپا لیتے ہیں چلمن میں
پسِ پردہ وہ چھپ چھپ کر ہمیں ترسائے جاتے ہیں

محبت میں عجب کچھ بے خودی کا بھی یہ عالم ہے
سمجھتے ہیں کہ غم اچھا نہیں پر کھائے جاتے ہیں

ہمارا ہی کلیجہ ہے کہ ہم اف تک نہیں کرتے
وہ سو سو طرح کے ہم پر ستم برسائے جاتے ہیں

غضب ہے وصل کی شب میں بھی وہ میری نہیں سنتے
کہ جھنجلا کر مجھے پہلو سے وہ سرکائے جاتے ہیں

امیدِ وصل پر رو یا جو میں تو ہنس کے فرمایا
نہ ہو اتنا پریشاں وہ بھی دن اب آئے جاتے ہیں

شکایت ہم زمانے کی کریں یا بدنصیبی کی ،
ہم ان سے صلح کرتے ہیں عدو بھڑکا کے جاتے ہیں
بدل ہوتا غمِ فرقت کسی دن وصلِ جاناں سے
یہ کہہ کہہ کر دلِ مضطر کو ہم سمجھائے جاتے ہیں
وطنائی ان کی اے مخمورؔ دیکھو کس غضب کی ہے
سراسر دل چرا کر اور پھر جھٹلائے جاتے ہیں

# ردیف الواوٌ

## غزل

۱۵ ۷

پان کھا کر شب مہتاب میں آیا نہ کرو
چاندنی میں شفقی رنگ کھلایا نہ کرو
غش کئے دیتی ہے چلمن سے جھلک جلوے کی
دیکھو در پردہ غریبوں کو ستایا نہ کرو
اپنے پازیب کی جھنکار سے تم رستے میں
شورِ محشر دمِ رفتار اٹھایا نہ کرو
وصل میں تذکرۂ غیر سے اٹھتا ہے فساد
جانِ من فتنۂ خوابیدہ جگایا نہ کرو
مفت دل مانگتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں
دیکھو حجت نہ کرو اپنا پرایا نہ کرو
نشے میں لیا بوسہ تو جھنجلا کے کہا
دستِ گستاخ خبردار بڑھایا نہ کرو
دیکھو پچتاؤ گے مخمورؔ کہے دیتے ہیں
بے دھڑک کوچۂ سفاک میں جایا نہ کرو

## غزل

۱۶ ۱۱

صدمے ہزار دل پہ ہوں لب پر فغاں ہو
دل کی جو بات ہے وہ کسی پر عیاں نہ ہو
مائل کسی پری کا کوئی نوجواں نہ ہو
یوں موسمِ شباب تو وقتِ[1] خزاں نہ ہو
دل میں وہ سوزِ غم ہے کہ جس کا بیاں نہ ہو
لیکن یہ آگ ایسی ہے جس میں دھواں نہ ہو
آشفتۂ جمالِ رخِ دلبراں نہ ہو
اے دل سنبھل کہ جان کا اس میں زیاں نہ ہو
ہم اس تلاش ہی میں رہے خاک چھانتے
ایسی کوئی جگہ ہو جہاں آسماں نہ ہو
چاہِ ذقن کی چاہ ہے یارب تو خیر کر
ایماں ہو ڈانوا ڈول یہ ایسا کنواں نہ ہو
واقف نہ ہو جو ایک سے اک ایسا ضبط ہو
دل کی خرابیوں کا جگر رازداں نہ ہو
باغِ جناں بھی آنکھ میں میری ہو خارزار
گر وقتِ سیر ساتھ وہ سرو رواں نہ ہو

---

[1] اصل کتاب میں غالباً کتابت کی غلطی کے سبب "وقف خزاں" کے بجائے "وقت خزاں" چھپ گیا ہے۔

آنسوں بھرے ہے نرگس چشموں کا دل میں دھیان  کیوں روز و شب ان آنکھوں سے آنسو رواں نہ ہو
آہ و فغاں نہ کر دل مضطر خدا کو مان  نامہربان مجھ پہ مرا مہرباں نہ ہو
مخمور آپ کرتے ہیں شکوہ خمار کا
بیزار اس بیان سے پیر مغاں نہ ہو

## ۱۷ غزل ۱۵

یوں چڑھاتے ہو مری جان جو ہر بار ابرو  کس گنہگار کے ہیں قتل پہ تیار ابرو
قتل عاشق کو نہیں ایک ہی ہتھیار ابرو  بینی خنجر ہے، مژہ تیر ہیں، تلوار ابرو
ماہ نو ہیں ترے اے یار طرحدار ابرو  بلکہ ہیں سجدہ گہِ کافر و دیندار ابرو
بے گناہوں پہ کھچے رہتے ہیں ہر بار ابرو  اے جفاکیش ترے کیا ہی ہیں خونخوار ابرو
متصل ایک سے اک کیسے ہیں ہموار ابرو  دونوں آپس میں ہیں کیا محرم اسرار ابرو
ابروئے یار ہے محراب عبادت اپنا  طرف کعبہ کریں گے نہیں زنہار ابرو
تجھ کو اے شمس جو ہے زعم کہ تاباں ہوں میں  دیکھیں کرے تو بھلا جانب رخسار ابرو
گرتے ہیں ایک پہ اک بسمل و بے جان ہوکر  بخدا تم نہ چڑھاؤ دم رفتار ابرو
طالب دید ہو تو ہوں دکھا دو مجھ کو  کیوں چھپاتے ہو پس روزن دیوار ابرو
تیغ ابرو کو ذرا روک اے قاتل بخدا  دیکھ تو کرتا ہے کیا کشتوں کے انبار ابرو
جان لیں کس کی۔ کریں کس کے جگر کے ٹکڑے  یہی آپس میں کیا کرتے تکرار ابرو
کیا ہی کافر ہیں بھویں اے بت بے پیر ترے  حق پرستوں کو بھی پہناتے ہیں زنار ابرو
سب کی نظروں سے اتر جائے ابھی قوس فلک  ہو اگر عکس فگن تیرے کماندار ابرو
عشق ابرو میں یہی دھیان ہے بس آٹھ پہر  ترک دنیا کریں اب کرکے صفاچار ابرو
میں تو مخمور مئے عشق سے ہوں اے زاہد
کس طرح جانب قبلہ کروں سرشار ابرو

## ردیف الہاء

## ۱۸ غزل ۱۴

مرے اشعار کی پھیلی خبر آہستہ آہستہ  ہوئی ہے خوش بیانی مشتہر آہستہ آہستہ

محبت نے کیا پیدا اثر آہستہ آہستہ — ہوا اس ماہوش کے دل میں گھر آہستہ آہستہ
ہوئی ہے کچھ ہی کچھ ان کی نظر آہستہ آہستہ — کہ وہ جانے لگے غیروں کے گھر آہستہ آہستہ
رسائی زلف نے کی تا کمر آہستہ آہستہ — کیا ملک عدم کالوں نے سر آہستہ آہستہ
یکایک آگ لگ جائے نہ اب سارے زمانے میں — نکل سینے سے آہ پُر شرر آہستہ آہستہ
کوئی دم اور بھی دیدار کی حسرت نکلنے دے — ارے جلاد مجھ کو ذبح کر آہستہ آہستہ
اٹھے طوفاں نہ یکدم دہر میں اشکوں کی بارش سے — جو رونا ہے تو رو لے چشم تر آہستہ آہستہ
یہ فرطِ شوق دیکھو راہ میں میں سب کے آگے تھا — چلے آتے تھے پیچھے ہم سفر آہستہ آہستہ
ذرا لذت اٹھالوں اور بھی زخم جگر کی میں — لگا وار اے قاتل مگر آہستہ آہستہ
یہ رونا ہے غضب ہے ستم ڈھائے دیدۂ نالاں — ہوا اشکوں کا دریا تا کمر آہستہ آہستہ
نہیں مجھ ناتوانِ غم میں طاقت دوڑ چلنے کی، — خدا کے واسطے چل راہبر آہستہ آہستہ
کئی بسمل پڑے ہیں رہگذر میں خاک پر غلطاں — ذرا چل دیکھ کر اے فتنہ گر آہستہ آہستہ
الٰہی خیر ہو کیا میرے نامے کا جواب آیا — چلا آتا ہے لیکن نامہ بر آہستہ آہستہ

مئے الفت سے ہوں مخمور بعد قتل بھی دیکھو
لُڑھکتا سوئے مے خانہ ہے سر آہستہ آہستہ

# ردیف الیائے معرُوف

## غزل

۱۹ — ۱۵

یہ ہم نے دعا وصل کی شب تا بہ سحر کی — موت آئی مگر آئی نہ آواز گجر کی
تھوڑی سی اگر خاک ترے راہ گذر کی — مل جائے تو ہو جائے دوا دیدۂ تر کی
کیا سخت معمّا ہے کہ حل ہو نہیں سکتا — خود گم ہوئے، کی فکر جو مضمون کمر کی
مر جاؤں مگر آپ کی دہلیز نہ چھوڑوں — سر یاں سے ہٹاؤں تو قسم آپ کے سر کی
معراج کی شب جس کے قدم عرش نے چومے — دیکھو ہوئی کیا عزت و توقیر بشر کی
انگور ہی بہتر نظر تاک کے مارا — کیا خوب دوا آپ نے کی زخم جگر کی
ملنا تو بہت دور، پتہ تک بھی نہ پایا — اک عمر تجسس میں ترے ہم نے بسر کی
ویران کیا دل کو مرے عشق بتاں نے — کیا خانہ خرابی ہوئی اللہ کے گھر کی

بے جرم کو مجرم جو بناتے ہو بناؤ
گو ہم نے خطا کچھ بھی نہیں کی ہے مگر کی

ایسا کیا بے ہوش تجلی نے کسی کی
ہے پاؤں کی شدہ اور نہ خبر ہے مجھے سر کی

زاہد جسے اللہ پلائے وہ پیئے سے
یہ مے نہیں تقدیر میں ہر ایک بشر کی

صد شکر کہ ہے عشق میں ثابت قدم اپنا
مر کر بھی ترے در سے مری لاش نہ سرکی

اک وار میں چورنگ کیا دل کو ہمارے
لی آبرو ابرو نے ترے تیغ و تبر کی

تا حشر کریں گے وہ جفا اور وفا ہم
عادت کبھی چھوٹے گی ادھر کی نہ اُدھر کی

مخمور ہوں میں نرگس مخمور کا کشتہ
دیں قبر میں مٹی مجھے میخانے کے در کی

## غزل

۲۰ ۹

صبح تک تڑپا کئے بس بے قراری ہو چکی
مان بھی کہنا اے دل، آہ و زاری ہو چکی

واہ جی کیا خوب حق دوستی پورا کیا
تم نہ آئے جان بھی رخصت ہماری ہو چکی

پی لیا دست حنائی سے مے گلگوں کا جام
شیخ صاحب آپ کی پرہیزگاری ہو چکی

اک بت کافر کی الفت نے کیا ہے لیس گھر
بس گیا کعبے میں بت بس دینداری ہو چکی

واؤ سے، وعدے سے، کُل سے، جعل سے سوکئے
بوسۂ لب دے لیا مطلب براری ہو چکی

ہاتھ جوڑے منتیں کیں پاؤں پر سر رکھ دیا
اب تو مانو انتہا کی انکساری ہو چکی

خون کے دریا بہے فرقت میں رویا اس قدر
ہو چکی اے چشم تر بس اشکباری ہو چکی

اب بلا تکرار بوسے پانچ چھ ملتے ہیں روز
لو مری سرکار سے تنخواہ جاری ہو چکی

لطف مے مخمور گر سچ پوچھئے اب ہے کہاں
جب ہوئی ساقی کی رخصت بادہ خواری ہو چکی

## ردیف لیائے مجہول

## غزل

۲۱ ۱۳

ما تو کہا[1] ہے حضرتِ دل تم کیسی تمہاری شرارت ہے
عشق بتوں کا چھوڑ دو صاحب دیکھو اس میں قباحت ہے

---

[1] صحیح لفظ غالباً "مانے" ہو گا "ہے" نہیں۔

دن کو پھرنا کوچہ بہ کوچہ، شب کو تڑپنا بستر پر
صبح ہوئی تک تارے گننا، عشق تو کیا اک آفت ہے
حال پریشاں چاک گریباں، لب پہ فغاں اور چہرہ زرد
تنکے چننا آٹھ پہر، یہ جوشِ جنوں کی علامت ہے
سامنے آنا پھر چھپ جانا، دیکھ کے مجھ کو چلمن میں
پردہ کرنا عاشق سے، یہ کیسی تمہاری عادت ہے
آپ ہی سر آپ ہی خنجر، آپ ہی قاضی آپ ہی شرع
آپ ہی بولا اِلّا اللہ آپ ہی پائی شہادت ہے
آپ ہی موسیٰ آپ ہی خدا، اور آپ ہی اپنے جلوہ کو دیکھ
آپ ہی ہو بے خود طور جلایا، تیری بھی کیا کیا چلکت ہے
آپ ہی منصور آپ ہی سُولی، آپ ہی مفتی خود فتوی ہی
کہہ کے انا الحق آپ ہی تونے، دار کی پائی لذت ہے
باقی رہے تسمہ نہ گلے کا، قتل کر ایسا اے قاتل
ہم بھی تو دیکھیں آج کہ تیرے ہاتھ میں کیسی نفاست ہے
کوئی خدا کو یاد کرے کوئی بتوں کو سجدہ کرے
ہم تو ہیں بندے اپنے صنم کے، اپنی اپنی طبیعت ہے
تیغ گلے پر رکھ کے ہٹا لیتے ہیں سمجھ کر کچھ دل میں
ایسی ادا کے میں قرباں، کیا پیاری پیاری شرارت ہے
ناک ہے جوں چمپے کی کلی اور آنکھیں نرگس غنچہ دہن
قد ہے سراپا سروِ رواں اور گل سے زیادہ نزاکت ہے
ساؤنلی رنگت گول بدن، گویا کہ ڈھلا ہے سانچے میں
بال ہیں گھونگر والے سیہ چہرے سے ٹپکتی ملاحت ہے
خوار کیا بدنام کیا اس دل نے مجھے کیا کیا نہ کیا
کس سے کریں مخمورؔ گلہ، یہ ساری اسی کی شرارت ہے

۲۲ ## غزل ۱۳

ایکدن شب کو تو صاحب آیئے — اپنے بندہ پر کرم فرمایئے
خانۂ دل سے نہ یوں گھبرایئے — آیئے گھر آپ کا ہے، آیئے
وصل کی شب میں یوں شرمایئے — کچھ تو منہ سے میری جاں فرمایئے
ہو نہ صدمہ دستِ نازک کو کہیں — خود گلا کاٹوں میں خنجر لایئے
ہم نہ مانیں گے نہیں گے خوب سے — شیخ صاحب آپ یاں سے جایئے
آپکے وعدوں کا کب ہو اعتبار — اپنے سر کی بھی قسم گر کھایئے
اک گھڑی اک پل قرار آتا نہیں — دل کو یارب کس طرح بہلایئے
بوسہ دیدو ورنہ کہہ دو صاف تم — ہم نہ دیں گے اپنے گھر کو جایئے
دیدیا ہے آپ کو سر بے دریغ — مجھ سا عاشق کون ہے فرمایئے
آپکے عاشق کی ہے جانِ جہاں — رخصتِ جاں ہے ذرا جلد آیئے
دیکھنی ہے میری جانبازی اگر — امتحاں کی ایک دن ٹھہرایئے
آجکل ہوتا ہے وصلِ دلربا — حضرتِ دل بس نہ اب گھبرایئے

کس ادا سے ناز سے کہتے ہیں وہ
آیئے مخمور صاحب آیئے

۲۳ ## غزل ۱۰

غمِ دل ہر اک سے بیاں ہو رہا ہے — سب اظہارِ رازِ نہاں ہو رہا ہے
نیا ہر گھڑی غم ہے اور تازہ آفت — یہ کیا ہم پہ ظلم آسماں ہو رہا ہے
ہوئی ہے یہ شوقِ شہادت میں حالت — کہ سر تن پہ بارِ گراں ہو رہا ہے
ترے حسن کی ہوگئی ایسی شہرت — کہ مشتاق سارا جہاں ہو رہا ہے
تمہیں کب ہے پروا کہیں ہم جو تم سے — جو کچھ ہم پہ اے جانِ جاں ہو رہا ہے
وہ عطرِ حنا مل کے آئے ہیں شاید — معطر جو سارا مکاں ہو رہا ہے
کہیں چھپ کے راتوں کو جاتے ہو تم ہے — اجی ہم پہ سب کچھ عیاں ہو رہا ہے

کسی چشم بیمار کی آرزو میں، دل ناتواں نیم جاں ہو رہا ہے
صدا آہ و زاری کی آتی ہے شاید کہیں ماتم عاشقاں ہو رہا ہے
چھنی رخ پہ افشاں ہے مخمور اس نے
ستاروں کا دن کو گماں ہو رہا ہے

## غزل

۲۴ ۱۸

اس طرح منورمہِ کامل تو نہیں ہے یہ بام پہ وہ حور شمائل تو نہیں ہے
الفت میں بجز رنج کے حاصل تو نہیں ہے لیکن مرے کہنے میں مرا دل تو نہیں ہے
ہیں گرچہ بہت خوبرو اک اک سے زیادہ پر کوئی حسیں تیرے مقابل تو نہیں ہے
ہے صفحۂ قرآں پہ یہ اک نکتۂ قدرت اس روئے کتابی پہ ترے تل تو نہیں ہے
دشوار ہے گر وصل بھلا یہ تو بتاؤ صورت کا دکھانا کوئی مشکل تو نہیں ہے
بے جان کئی ہیں کئی بسمل ہیں پھڑکتے یا رب یہ کہیں کوچۂ قاتل تو نہیں ہے
ہم دیکھیں تو اب وصل میں کس طرح چھپو گے پردہ کوئی یاں بیچ میں حائل تو نہیں ہے
موجود ہے دل آیئے یاں شوق سے رہیے گھر آپ کا ہے غیر کی منزل تو نہیں ہے
گو بیٹھے ہیں عشاق ترے بزم میں صدہا مجھ سا مگر اس جا کوئی مائل تو نہیں ہے
ڈھونڈا بہت آخر کہیں جا اُسے پایا، ان آپ کی زلفوں میں مرا دل تو نہیں ہے
کیوں وصل میں شرمائے ہوئے بیٹھے ہو ہم سے کچھ یہ بھی کوئی غیر کی محفل تو نہیں ہے
اب مٹ گئی دل سے مژہ و چشم کی الفت صد شکر کہ اب وہ خلش دل تو نہیں ہے
وہ غیر کی محفل میں مجھے دیکھ کے بولے دربان یہاں کا کوئی غافل تو نہیں ہے
رکھا ہے قدم تو نے رہِ عشق میں اے دل لٹ جاتے ہیں جس میں یہ وہ منزل تو نہیں ہے
نادان ہے جا بھی تری سنتا ہے یہاں کون ناصح تو کوئی مرشدِ کامل تو نہیں ہے
کیا اور کریں آپ سے مہمان کی خاطر دل نذر ہے گو آپ کے قابل تو نہیں ہے
دل لے تو لیا پھر یہ تقاضا ہے مکرر پہلو میں ترے اور کوئی دل تو نہیں ہے
یہ کوچۂ قاتل ہے خدا کے لئے ہٹ جا
مخمور تجھے خیر ہے غافل تو نہیں ہے

## غزل

۲۵ ۱۷

اک داغِ تمنا دلِ مضطر میں نہاں ہے
گنجینۂ الفت میں یہ اک لعل گراں ہے

گو آتشِ غم سے دلِ بے تاب تپاں ہے
خاموش ہوں لب پر نہ گلہ ہے نہ فغاں ہے

یہ کون شہِ حسن پسِ پردہ نہاں ہے
چلمن سے تجلیٔ رخِ روشن کی عیاں ہے

اے دل نہ قدم رکھ رہِ الفت میں زیاں ہے
نادان! کہا مان ترا دھیان کہاں ہے

رُک رُک کے نہ کر قتل خدا کے لئے قاتل
سر شوقِ شہادت میں مرے سر پہ گراں ہے

وہ شہرۂ آفاق ہوئے خیر سے تم بھی
ہر گھر میں ہر اک جا میں تمہارا ہی بیاں ہے

جلد آئیے تسکیں مرے بالیں پہ مسیحا
مہمان کوئی دم کی مرے جسم میں جان ہے

چاہت کا طلبگار نہیں کوئی جہاں میں
خود کام زمانہ میں ہر اک پیر و جواں ہے

کیوں اس گلِ خوبی پہ نہ عاشق ہو زمانہ
یکتا چمنِ حسن میں وہ سرو رواں ہے

خاموش موذن ابھی باقی ہے شبِ وصل
کمبخت بھلا یہ بھی کوئی وقتِ اذاں ہے

یا آپ کی زلفوں میں ہو یا میری بغل میں
دل دونوں جگہ بھی جو نہیں پھر تو کہاں ہے

وعدہ جو کیا بھی تو کیا حشر کے دن کا
اس پر بھی غضب یہ کہ نہیں ہو کبھی ہاں ہے

کیوں شکوۂ اغیار پہ بگڑے ہو شبِ وصل
قابو میں نہ دل ہے نہ مرے بس میں زباں ہے

منصف ہیں اگر آپ تو انصاف سے کہیئے
اگلی سی وہ اب چشمِ کرم مجھ پہ کہاں ہے

سوزِ جگر و حالِ پریشاں طپشِ دل ہائے
کیا پوچھتے ہو دیکھ لو صورت سے عیاں ہے

ہم نے تجھے ہر شکل میں آتے ہوئے دیکھا
زاہد ہے کبھی تو تو کبھی پیرِ مغاں ہے

ہم مرگئے پر آپ نے اتنا بھی نہ پوچھا
مخمور دکھائی نہیں دیتا ہے کہاں ہے

تمت گردید

# ضمیمہ ردیف الف

## غزل

۱ — ۷

بوسۂ رُخ کا جب خیال ہوا — منھ طمانچوں سے لال لال ہوا
گرچہ ظاہر میں وہ نہیں ملتے — خواب میں کب نہیں وصال ہوا
رنج ان کو ہوا رقیبوں سے — مرنا عاشق کا نیک فال ہوا
دوست تو دوست روئے دشمن بھی — جس گھڑی میرا انتقال ہوا
غیر سے ہنس رہے ہو محفل میں — کچھ نہ تمکو مرا خیال ہوا
دیکھ کر تیرا حسن روز افزوں — بدر بھی صورتِ ھلال ہوا

لوگ کہتے ہیں دیکھکر مخمور
کس کی فرقت میں ایسا حال ہوا

## غزل

۲ — ۷

اس عشق نے بھی مجھ پر کیا کیا ستم نہ ڈھایا — کانٹوں پہ بھی لٹایا سولی پہ بھی چڑھایا
گلشن تمام ڈھونڈا دنیا کی خاک چھانی — تیرا سا گل نہ دیکھا تجھ سا حسیں نہ پایا
جینے سے ہاتھ اٹھایا اپنے کو آپ کھویا — الفت کے راستے میں جس نے قدم بڑھایا
دلبر کو میرے مجھ سے تو نے چھڑا دیا ہے — اے چرخ کینہ پرور کیا تیرے ہاتھ آیا
برگشتہ ہوگیا ہے سارا جہان مجھ سے — تقدیر نے بھی مجھ کو کیا روز بد دکھایا
جس نے مرے صنم سے مجھ کو جدا کیا ہے — آرام سے نہ وہ بھی اک دم رہے خدایا

مخمور کیا غضب ہے سب دوست ہی ہیں دشمن
سچ ہے کہ وقت بد میں اپنا بھی ہے پرایا

## الرا

۳ — ۱۳

آشفتہ حال خستہ دل اس رہگذار پر — ہم بیٹھے منتظر ہیں کسی کے قرار پر
ہے لاکھ آفریں کششِ انتظار پر — وہ بعد مرگ آئے ہیں میرے مزار پر

افسانہ میرے عشق کا سن سن کے رشک سے
فرہاد بھی پٹکتا ہے سر کوہسار پر

ہر دانہ میرے اشک کا فرقت میں یار کی
رکھتا ہے فوقیت گہر آبدار پر

لاکھوں ہزاروں کشتے ہیں ابروئے یار کے
کچھ منحصر نہیں ہے یہ دو تین چار پر

رگ رگ میں ہو رہی ہے یہاں نشتر کی چھیڑ
واں ہاتھ چل رہا ہے جوان کا ستار پر

آخر تڑپ تڑپ کے کیا ان کے دل کو نرم
صد آفریں ہمارے دل بیقرار پر

چمکا رہے ہیں رخ کو وہ چلمن سے دیکھئے
بجلی گرے گی آج کس امیدوار پر

آنکھیں لگی ہیں در سے نہیں نیند کا پتہ
پڑ جائے خاک ایسی شب انتظار پر

کرتے ہیں گرچہ روز نیا ظلم وہ مگر
کچھ رحم بھی ہے ان کو مرے حال زار پر

تم دم کو دے رہو گے یہ ہرگز یقین نہ تھا
ہم نے تو دل دیا تھا تمہیں اعتبار پر

الفت میں سبزہ رویوں کے پامال ہو گئے
سبزہ اُگے گا کیوں نہ ہمارے مزار پر

محمود عشق بازوں کا ٹھیرا ہے امتحاں
سردار ہوگا آج چڑھے گا جو دار پر

۴ **الکاف** ۱۱

صدائے نالہ پہنچی آسماں تک
یہ شور و غل دل مضطر کہاں تک

ذرا تقدیر کی گردش تو دیکھو
وہ آ کر پھر گئے میرے مکاں تک

گلے شکووں میں گذری وصل کی شب
نہ وہ سوئے نہ ہم وقت اذاں تک

برا ہو نا جو کرتا شکوۂ غیر
بھلے کو رہ گیا آ کر زباں تک

برنگ لالہ صحرا ہو گیا لال
لہو رویا ہوں میں فرقت میں یاں تک

سگ یار آ کے اب کیا کھائے گا خاک
رہے باقی نہ اپنے استخواں تک

کروں اس فتنہ گر کے ٹکڑے ٹکڑے
رسائی ہو مری گر آسماں تک

کلیجہ پھک گیا سوز دروں سے
یہ آہ پُر شرر لے دل کہاں تک

ہم اپنا کاٹ لیں گے آپ ہی سر
ٹھہرتا کون ہے یاں امتحاں تک

خدایا تو ہی پہنچا دے تو پہنچوں
بت غارت گر ہندوستاں تک

بناؤں راہبر زاہد کو محمود
رسائی ہو مری پیر مغاں تک

# اَلْیَا

۵ ۔ ۷

وہ مسیحا دم نہیں آتا دوا کے واسطے — تو ہی دم بھر کو اجل آجا خدا کے واسطے
نرگس بیمار کا بیمار ہوں مجھ کو طبیب — دار وئے دیدار کافی ہے شفا کے واسطے
چل ہوا خواہی میں تو بھی لے دل مضطر کو آج — غل ہے وہ جاتے ہیں تبدیل ہوا کے واسطے
باتوں باتوں میں تو کل دل کو چرا کر لے گئے — آج پھر تم آئے ہو کس مدعا کے واسطے
ہم نے مانا سیکڑوں عاشق تمہارے ہیں ولے — کوئی لائے تو جگر ہم سا جفا کے واسطے
دیکھئے کس شوق سے مقتل کو ہیں دونوں رواں — وہ جفا کے واسطے اور ہم وفا کے واسطے

یاد ہے جھنجلا کے وہ کہنا کسی کا وصل میں
دو گھڑی مخمور سونے دو خدا کے واسطے

## قطعۂ تاریخ از نتیجۂ افکار نادر روزگار شاعر بلند خیال جامع الکمال نازک طبع شیریں مقال جناب مولانا میر تراب علی صاحب قبلہ المتخلص بہ زور ساکن فرخندہ بنیاد حیدر آباد دکن

### تاریخ

حسن بہار دید ہے مستوں کی عید ہے — مخمور کا کلام خوشی کا چمن چھپا
تاریخ زور کی نہیں سوسن کا قول ہے — نرگس کا ہم جلیس نہال سخن چھپا
۱۳ ۰ ۶ ھ

### دیگر

اشعار ہیں بہار کے غزلیں ہیں منتخب — مخمور کا کلام کہ نرگس کا بن چھپا
رنگ چمن دکھاتی ہے تاریخ زور کی — دیدار لالہ زار و نہال سخن چھپا
۱۳ ۰ ۶ ھ

### ایضاً فارسی

طبع گردید چوں نہال سخن — چشم پُر نور گشت و دل مسرور
زور تاریخ الطباعش گفت — یادگار مقدم مخمور

تمت

از حسن اہتمام سید بدر الدین صاحب جلیس طبع شد

# نئے خزانے

ابوسلمان شاہجہان پوری

فروری تا جون ۱۹۶۹ء کے رسائل کا موضوع وار اشاریہ

(۴)

## سرسید احمد خاں

| | | |
|---|---|---|
| احمد سعید، پروفیسر | سرسید اور علمائے دیوبند | المعارف، لاہور، ص ۱۵ تا ۵۰، مارچ ۱۹۶۹ء |
| اختر وقار عظیم | اکبر اور سرسید | افکار کراچی، ص ۳۵ تا ۴۱، جون " |
| خلیق احمد نظامی | سید احمد خاں اور سید جمال الدین افغانی | تہذیب الاخلاق، لاہور، ص ۳ تا ۱۲، فروری " |
| " | سید احمد خاں اور جمال الدین افغانی | " " تا ۹، مارچ " |
| رزاقی، شاہد حسین | سرسید کی اصلاحی تحریک کے بنیادی مقاصد | المعارف، لاہور، ص ۱۲ تا ۳۰، مئی " |
| صفدر سلیمی | پاکستان کا معمار اول - سرسید احمد خاں | حریت، کراچی، ص ۰، ۲۳ مارچ " |
| عمرالدین، محمد | سرسید کا نیا مذہبی طرز فکر (۲) | تہذیب الاخلاق، لاہور، ص ۳ تا ۲۲، فروری " |

## غالب[1]

[1] غالب سے متعلق مضامین کے حوالے ہونا چاہیے تھے لیکن غالب پر مضامین کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لیے "اشاریہ غالب" اس قسم ہی کے اشاریے کے بعد قومی زبان کے ایک نمبر میں شائع ہوگا۔

## ادیب و شاعر



| | | |
|---|---|---|
| ابن سلطان | پنجابی زبان کے مایہ ناز شاعر میاں محمد بخش | کوہستان، لاہور، ص ۱، ۲۵ مئی ۱۹۶۶ء |
| ابوالخطیب | اسعد گیلانی کا ادبی شعور | سیارہ، لاہور، ص ۳۱ تا ۳۸، فروری " |
| ابو علی اعظمی | شبلی اسکول کا ایک نامور فرزند (مولانا ابوالحسنات ندوی بہاری) | اردو ادب، علی گڑھ، ص ۶۵ تا ۸۲، نمبر ۳ ۱۹۶۶ء |
| احسن فاروقی، محمد | مشتاق احمد یوسفی | نقش، کراچی، ص ۱۱۹ تا ۱۲۲، جنوری فروری ۱۹۶۶ء |
| " | نسیم درانی کی افسانہ نگاری | ساقی، " ص ۵۳ " ۵۸، " " " |
| احفاظ الرحمان | واحد متکلم کا شاعر (انور شعور) | فنون، لاہور، ص ۳۳۹ تا ۳۴۳، جدید غزل نمبر ۱۹۶۶ء |
| احمد ظفر | جمیل ملک کی غزل | " " ص ۳۲۱ تا ۳۲۶، " " |
| احمد ندیم قاسمی | پنجابی کے چند قدیم شعرا | امروز، لاہور، ص ۳، ۲ اپریل ۱۹۶۶ء |
| " | " | " " " ۵، ۲۷ " " |
| " | " (آخری قسط) | " " " ۲، ۴ مئی " |
| ادیب، احمد علی خاں | حضرت صدق جائسی | سب رس، حیدرآباد دکن، ص ۲۴ تا ۳۴، مارچ " |
| ارشد، پروفیسر سید رشید احمد | عربی کا جدید فلسفی شاعر (ایلیا ابوماضی) | نگار پاکستان، کراچی، ص ۳۳ تا ۴۴، جون " |
| اسلم خاں | پروفیسر اختر عالم ہاشمی مرحوم | کوہستان، لاہور، ص ۳، ۸ جون " |
| اشرف، اے بی | اشتراکی انقلاب کا اثر پریم چند کے ناولوں پر | ساقی، کراچی، ص ۶۵ تا ۷۰، مارچ اپریل " |
| اظہر احمد الدین | اکبر علی مرحوم | نیرنگ خیال، لاہور، ص ۲۰ تا ۲۵، جون " |
| اظہر، پروفیسر غلام حسین | ۱۸۵۷ء کے زندانی شاعر | نگار پاکستان، کراچی، ص ۴۸ تا ۵۲، " " |
| الطاف حسن قریشی | ممتاز حسن (سے انٹرویو) | اردو ڈائجسٹ، لاہور، ص ۷۰ تا ۷۲، دسمبر ۱۹۶۵ء |
| امیر حیدر خاں | عزیز لکھنوی کی قومی نظمیں | فروغ اردو، لکھنؤ، ص ۳ تا ۱۲، جنوری فروری ۱۹۶۶ء |
| انور سدید، اختر ریحان | صلاح الدین ندیم کی ایک غزل | اردو زبان، سرگودھا، ص ۶۹ تا ۷۷، " " " |
| انور سدید | گدلے پانی میں کنول (ڈاکٹر وزیر آغا کی شخصیت و فن) | کامران، سرگودھا، ص ۱۱ تا ۱۴، جلد ۱ نمبر ۱ " |
| تقی صدیقی | شاہ لطیف کی شخصیت اور شاعری | انجمن اسلامیہ میگزین، کراچی، ص ۴ تا ۱۵، مئی " |
| بیدار، ڈاکٹر عابد رضا | شاد عارفی — ایک تاثر | الفاروق، رام پور، ص ۳۰ تا ۴۰، جنوری " |

| | | |
|---|---|---|
| بیگم ڈاکٹر اعجاز | عظمتِ رفتہ کا مصنف ـ ضیاء الدین احمد برنی مرحوم | جنگ، کراچی، ص ۱۰، ۱۶ جون ۱۹۷۹ء |
| تحسین سروری | شیخ سعدی ہندی | انجمن اسلامیہ میگزین، کراچی، ص ۲۹ تا ۳۵، جنوری ۱۹۷۹ء |
| جاوید، ڈاکٹر سلیمان اطہر | رشید احمد صدیقی کا طنز و مزاح | شگوفہ، حیدرآباد دکن، ص ۱۲ تا ۱۸، نومبر دسمبر » |
| جاوید وششٹ | حضرت شمیم کرہانی | صبحِ نو، پٹنہ، ص ۵۷ تا ۵۹، جنوری فروری » |
| جعفر رضا | پریم چند کی کہانیوں میں دیہی زندگی | صبا، حیدرآباد دکن، ص ۲۹ تا ۳۰، جون تا دسمبر ۱۹۷۸ء |
| چمن، امیر حسین | شوکت تھانوی، باغ و بہار شخصیت | جنگ، کراچی، ص ۷، ۵ مئی ۱۹۷۹ء |
| حامد علی خاں، مولانا ڈاکٹر | حضرت سید شاہ بھیک | الفاروق، رام پور، ص ۲۷ تا ۲۹، جنوری ۱۹۷۹ء |
| حسنین کاظمی | ایرانی شاعرہ لعبت شیبانی | جنگ، کراچی، ص ۱۱، ۲ جون ۱۹۷۹ء |
| حسنین زیدی، پروفیسر | قرۃ العین طاہرہ | نیرنگِ خیال، لاہور، ص ۴۲ تا ۴۷، سالنامہ ۱۹۷۹ء |
| حشمت منیر | پروفیسر عزیز احمد | کامران، سرگودھا، ص ۶ تا ۱۳، جلد ۱۳ نمبر ۱ » |
| حیدر امام | سید آلِ رضا لکھنوی سے انٹرویو | حریت، کراچی، ص ۹ تا ۱۰، ۲۹ مارچ ۱۹۷۹ء |
| » | نادم سیتاپوری (سے انٹرویو) | » » » ص ۹ تا ۱۰، ۲۶ اپریل » |
| نو ید امام | دیوارِ قدامت کی (اقبال سے جد کے ایک شعر پر بحث) | فنون، لاہور، ص ۲۷۹ تا ۲۸۰، جولائی » |
| خالد بزمی، پروفیسر | نصرت قریشی | فنون، لاہور، ص ۱۲ تا ۱۴، جون ۱۹۷۹ء |
| خسرو، فیروز ناطق | صدائے صحرا[1] | نئی فہمیدہ، حیدرآباد، ص ۲۶ تا ۳۰، ۹، نمبر ۱ و ۲، ۱۹۷۹ء |
| خلیل الرحمان اعظمی | اظہر نفیس کی غزل | فنون، لاہور، ص ۳۳۳ تا ۳۳۸، جدید غزل نمبر » |
| » | مظفر حنفی | تحریک، دہلی، ص ۴۴ فروری ۱۹۷۹ء |
| خورشید، ڈاکٹر عبدالسلام | حکیم احمد شجاع | مشرق، لاہور، ص ۲، ۲ مئی » |
| دانش، احمد حسن | علی سجاد عظیم آبادی کی کردار نگاری | شاعر، بمبئی، ص ۵ تا ۸، مئی جون » |
| دُر آفریں | نجیب اشرف ندوی | قومی زبان، کراچی، ص ۶ تا ۱۰، جون » |
| ذکی جے پوری، مولانا محمد اسماعیل خاں | حضرت بابا ذہین شاہ تاجی کا فارسی کلام | تاج، کراچی، ص ۲ تا ۲۰، اپریل » |
| رضا ہمدانی | صاحبِ سیف و قلم ـ خوش حال خاں خٹک | امروز، لاہور، ص ۷، ۲۵ مئی » |
| ریاست علی چودھری | بہادر شاہ ظفر کے آئینے میں | کامران، سرگودھا، ص ۱۹ تا ۲۲، جلد ۱۳ نمبر ۱ |

[1] راوی مہرانی کے اردو شعر کا ترجمہ ـ

| | | |
|---|---|---|
| ریاض حسین چودھری | اقبال منہاس | کامران، سرگودھا، ص ۶ تا ۸، نمبر ۲ ۶۹ء |
| ریاض منہاس | وحیدہ روشن — ایک شاعرہ ایک ادیبہ | قندیل، لاہور، ص ۱۹، ۹ار فروری 〃 |
| رشید امجد | وزیر آغا کی نظمیں | نئی قدریں، حیدرآباد، ص ۸۵ تا ۹۱، نمبر ۱ و ۲ ۶۹ء |
| ساحر الہ آبادی | ڈپٹی نذیر احمد | انجمن اسلامیہ میگزین، کراچی، ص ۳۳ تا ۳۶، جون 〃 |
| سحر رومانی | علامہ آرزو لکھنوی | جام نو، کراچی، ص ۲۱ تا ۲۸، اپریل ۶۹ء |
| سلطانہ مہر | آج کا شاعر[1] | جنگ، کراچی |
| سلیم فاروقی | مفتی انتظام اللہ شہابی | انجمن اسلامیہ میگزین، کراچی، ص ۱۴ تا ۱۵، جون ۶۹ء |
| سہیل احمد | منٹو | ادب لطیف، لاہور، ص ۷ تا ۱۱، مارچ اپریل 〃 |
| شاہد، مولانا حمید الدین | مولانا حامد حسن قادری مرحوم | حریت، کراچی، ص ۱۹۶۹ ، ۱۲ رجون ۶۹ء |
| شریف کنجاہی، پروفیسر | میاں محمد بخش اور ان کی زندہ جاوید تخلیق — سیف الملوک | کوہستان، لاہور، ص ۴، ۵ رمئی ۶۹ء |
| 〃 | میاں محمد بخش کی شاعری پر ایک طائرانہ نظر | قندیل، لاہور، ص ۲، ۲ رجون 〃 |
| شفیع عقیل | پنجابی شاعر میاں محمد بخش | جنگ، کراچی، ص ۱۱، ۱۶ ر 〃 〃 |
| 〃 | پنجابی کے نامور شاعر میاں محمد بخش | 〃 〃 〃 ۲، ۲۶ رمئی 〃 |
| شمس کنول | کمال امروہی | گلشن، بمبئی، ص ۲۹ تا ۳۰، اپریل 〃 |
| شمیم احمد | شاہد بھائی سے ایک انٹرویو | کتاب، لاہور، ص ۱۳ تا ۱۶، جون 〃 |
| شمیم نوید | عبید اللہ علیم — ایک نئی آواز | فنون، 〃، ص ۲۴۳ تا ۲۵۰، جدید غزل نمبر ۶۹ء |
| شوکت علی چوہان | ترکی کے جدید شعرا | امروز، 〃، ص ۱۱، ۲۰ رجون ۶۹ء |
| صبا اکبرآبادی | رعنا اکبرآبادی | انجمن اسلامیہ میگزین، کراچی، ص ۹ تا ۱۵، اپریل 〃 |
| 〃 | سیماب اکبرآبادی | 〃 〃 ۳ تا ۹، جون 〃 |

---

[1] کرار نوری، ۱۰ رمارچ ۶۹ء ص ۴، راغب مرادآبادی، ۱۷ رمارچ ۶۹ء ص ۴، حبیب جالب، ۲۴ رمارچ ۶۹ء ص ۴، نسیم امروہوی، ۱۰ رمارچ ۶۹ء ص ۳، اطہر نفیس، ۱۰ رمارچ ۶۹ء ص ۳، عبید اللہ علیم، ۵ رمئی، شمیم رومانی، ۱۲ رمئی، منظر بدایونی ۱۹ رمئی، ..... ۲۶ رمئی، آفاق صدیقی، ۲ رجون، وزیر آغا، ۹ رجون، .... ۱۶ رجون، عزیز اختر وارثی، ۲۳ رجون، احمد فراز، ۳۰ رجون، .... ۷ رجولائی، شورش کاشمیری، ۱۴ رجولائی، .... سید ضمیر جعفری، ۲۱ رجولائی، دلاور فگار، ۲۸ رجولائی ۶۹ء

| | | |
|---|---|---|
| صہبا اکبرآبادی | قمر جلالوی | انجمن اسلامیہ میگزین، کراچی، ص ۷ تا ۲۰، جون ۱۹۶۸ء |
| صدف، عظیم قادری | حضرت امجد حیدرآبادی | جنگ، کراچی، ص ۱۱، ۲۶ مئی ۱۹۶۸ء |
| صدق جائسی | فانی دکن میں[1] | حریت، " " ۱۰، ۵ مئی " |
| صفدر آہ | میر کی جبلی تصویر | گگن، بمبئی، ص ۷ تا ۱۹، اپریل " |
| ضیاء احمد بدایونی، پروفیسر | احسن مارہروی | ہمایوں، دہلی، ص ۱۴۱ تا ۱۴۸، فروری ۱۹۶۹ء |
| ضیا حسنی | کوثر چاندپوری — فن اور شخصیت | سب رس، حیدرآباد دکن، ص ۳۴ تا ۴۲، مارچ " |
| ظفر | نسیم امروہوی (سے انٹرویو) | حریت، کراچی، ص ۲ تا ۷، ۱۹ اپریل ۱۹۶۸ء |
| ظفر حجری | عمر خیام اور اس کا فلسفہ زندگی | قندیل، لاہور، ص ۱۲ تا ۱۳، ۲۴ جون " |
| ظہور نظر | ریشم کے کیڑے (قتیل کی غزل) | فنون، " " ۳۱۱ تا ۳۱۲، جدید غزل نمبر ۱۹۶۹ء |
| ظہیر فتح پوری، ڈاکٹر | یگانہ | " " " ۲۴۱ تا ۲۴۷، " " |
| عابد شمسی مرادآبادی، محمد | جگر مرادآبادی کی داستان عشق — ایک خاتون کی زبانی | لاہور، لاہور، ص ۲ تا ۷، ۲۸ اپریل ۱۹۶۸ء |
| عابد علی خاں، ڈاکٹر | اشرف الدین — جدید ایران کا ایک سپوت | نگار پاکستان، کراچی، ص ۱۹ تا ۳۲، جون " |
| حامد نظامی | نصرت قریشی | چٹان، لاہور، ص ۱۹ تا ۲۰، ۱۶ جون " |
| عاتکہ صدیقہ | مولانا صلاح الدین احمد — ایک عظیم انسان | قندیل، " " ۱۲ تا ۱۳، ۱۴ جولائی " |
| عبدالحمید یزدانی | ناصر خسرو | اقبال ریویو، کراچی، ص ۸۱ تا ۹۶، جنوری " |
| عبدالرؤف نوشہروی | ایک پشتو ادبی خاندان (خوشحال خاں خٹک کا خاندان) | سیارہ ڈائجسٹ، لاہور، ص ۱۳۷ تا ۱۴۱، مئی " |
| عبدالقادر قاضی | ژاں پال (سارتر) ساختج | چراغ راہ، کراچی، ص ۳۸ تا ۴۸، اپریل " |
| " | " " (۳) | " " " ۱۴ تا ۲۲، جون " |
| عبدالقوی دسنوی | ندوی صاحب مرحوم (نجیب اشرف ندوی)[2] | صبح نو، پٹنہ، ص ۴ تا ۱۶، جنوری فروری " |
| عبداللہ، ڈاکٹر سید | میرے استاد میرے بزرگ مولانا محمد شفیع | جھنکار، کراچی، ص ۸ تا ۹، ۲۰ مئی ۱۹۶۸ء |
| عشرت رحمانی | حکیم احمد شجاع | کتاب، لاہور، ص ۱۳ تا ۱۴، فروری " |
| عنوان چشتی، پروفیسر | پروفیسر محمد مجیب | نگار پاکستان، کراچی، ص ۱۸ تا ۲۲، مارچ اپریل " |

---

[1] اس مضمون کی دیگر اقساط ۱۲، ۲۶ مئی اور ۲ و ۹ جون کے حریت میں ملاحظہ ہوں۔

[2] نجیب اشرف ندوی مرحوم پر اسی نمبر میں مظفر گیلانی، عصمت جاوید اور ظفر ادگانوی کے مضامین بھی شامل ہیں (ص ۱۴ تا ۲۶)

| | | |
|---|---|---|
| غلام عباس | پطرس کی دسویں برسی | نیرنگ خیال، لاہور، ص ۱۳ تا ۱۵، سالنامہ ۱۹۶۹ء |
| فراق گورکھپوری | حفیظ جالندھری | فنون، لاہور، ص ۲۹۳ تا ۲۹۶، جدید غزل نمبر " |
| فرمان فتح پوری، ڈاکٹر | نیاز فتح پوری — ایک نظر میں | جنگ، کراچی، ص ۵، ۲۴ مئی ۱۹۶۹ء |
| " | نیاز فتح پوری — شخصیت اور فن کی روشنی میں | نگار پاکستان، کراچی، ص ۵ تا ۲۳، جون ۱۹۶۹ء |
| فریدہ زینی | امجد — ایک صوفی، ایک شاعر | سب رس، حیدرآباد دکن، ص ۲۸ تا ۳۱، فروری " |
| فضل الرحمان خاں | اللہ کے من مندر کی دیوی — اردو (مولانا صلاح الدین احمد) | کامران، سرگودھا، ص ۵ تا ۸، نمبر ۳، ۱ " |
| فضلی | ن۔م۔ راشد سے ایک انٹرویو | کتاب، لاہور، ص ۱۴ تا ۲۲، مئی ۱۹۶۹ء |
| قمر علی عباس | اجڑے دیار کا آخری مرثیہ خواں (شاہد احمد دہلوی) | ہمدرد صحت، کراچی، ص ۱ تا ۶، جون " |
| مجتبیٰ حسین | "بیاض" پر ایک نظر (سلیم احمد کی غزل) | فنون، لاہور، ص ۳۱۳ تا ۳۲۰، جدید غزل نمبر ۱۹۶۹ء |
| مجنوں گورکھپوری، پروفیسر | رباعیات شوقی (سید اقبال حسین شوقی) | نگار پاکستان، کراچی، ص ۱۱ تا ۱۹، مئی ۱۹۶۹ء |
| محافظ حیدر | ندا فاضلی | تحریک، دہلی، ص ۴۰ تا ۴۴، اپریل " |
| محمد اسلام، ڈاکٹر | جگر کی مے نوشی | فکر و خیال، کراچی، ص ۹ تا ۲۲، جون " |
| محمد حسن عسکری | اردو شاعری میں فراق کی آواز | فنون، لاہور، ص ۲۹۷ تا ۳۱۰، جدید غزل نمبر ۱۹۶۹ء |
| محمد رحیم دہلوی | میرے دوست انتظام اللہ شہابی | انجمن اسلامیہ میگزین، ص ۹ تا ۱۳، جون ۱۹۶۹ء |
| محمد سعید دہلوی، حکیم | مولانا حسرت موہانی | پاک جمہوریت، لاہور، ص ۱۳، مئی " |
| محمود الرحمان | سردار نشتر کی قومی شاعری کے چند پہلو | جنگ، کراچی، ص فروری " |
| " | شاد عظیم آبادی | " " " ۲۴ " " |
| " | مرزا یاس یگانہ چنگیزی | " " " ، ۳۰ مارچ " |
| محمود ہاشمی | قابل اجمیری — ایک علاقائی غزل گو | ساقی، کراچی، ص ۱۷ تا ۲۳، مارچ اپریل " |
| ممتاز احمد | کلیم الدین احمد اور غزل | نگار پاکستان، کراچی، ص ۳۸ تا ۴۴، جون " |
| مختار صدیقی | غزل اور شہزاد کی غزل | فنون، لاہور، ص ۳۲۸ تا ۳۳۲، جدید غزل نمبر ۱۹۶۹ء |
| مسعود احمد، محمد | یکتا دہلوی | قومی زبان، کراچی، ص ۶۹ تا ۸۰، اپریل ۱۹۶۹ء |
| " | " | " " " ۲۷ تا ۴۶، جون " |
| مسیح الزماں | انیس کی جذبات نگاری | آج کل، دہلی، ص ۱۵ تا ۲۱، اپریل " |
| مظفر علی سید | حفیظ ہوشیارپوری کی چند غزلیں | فنون، لاہور، ص ۳۰۵ تا ۳۱۰، جدید غزل نمبر ۱۹۶۹ء |

| | | |
|---|---|---|
| مظہر علی، سید | رہا معیری (محمد حسین رہی معیری) | قومی زبان، کراچی، ص ۵۴ تا ۶۰، جون ۱۹۶۹ء |
| مغنی تبسم | فانی کی تنقیدی نگارشات | صبا، حیدرآباد دکن، ص ۹ تا ۳۰، جون تا دسمبر ۱۹۶۸ء |
| مقتدی حسن، مولوی | جدید عربی شاعری کا امام محمود سامی البارودی | برہان، دہلی، ص ۲۹۳ تا ۳۲۲، مئی ۱۹۶۹ء |
| منور سلطانہ لکھنوی | بسمل لکھنوی کی یاد میں | قندیل، لاہور، ص ۲، ۲۸ مئی ۱۹۶۹ء |
| میراجی | اختر ہوشیارپوری | نیرنگ خیال، لاہور، ص ۹۲ تا ۹۲، سالنامہ ۱۹۶۹ء |
| ناز، ایم ایس | بہادر شاہ ظفر کی شخصیت اور شاعری | قندیل، لاہور، ص ۱۲ تا ۱۳، ۹ فروری ۱۹۶۹ء |
| ندیم، صلاح الدین | منٹو کی شخصیت | نئی قدریں، حیدرآباد، ص ۲۲۹ تا ۲۵۰، نمبر ۱۰ ۱۹۶۸ء |
| نزہت نیاز | حسرت موہانی کی شاعری | جام نو، کراچی، ص ۲۵ تا ۲۷، جون ۱۹۶۹ء |
| نسیم، سلطان جمیل | عظیم عباس | انجمن اسلامیہ میگزین، کراچی، ص ۲۱ تا ۲۴، جون ۱۹۶۹ء |
| نسیم درانی | قدرت اللہ شہاب — یا خدا سے ماں جی تک | نقش، کراچی، ص ۱۰۷ تا ۱۳۰، جنوری فروری ۱۹۶۹ء |
| نسیم ستر کی | سرسید اور اردو ادب | انقلاب، ، ، ص ۵ تا ۶، ۱۰ مئی ۱۹۶۹ء |
| نصرت منیر | منٹو کی شخصیت | نئی قدریں، حیدرآباد، ص ۲۴۲ تا ۲۴۸، نمبر ۱۰ ۱۹۶۸ء |
| نور الحسن، سید | میر انیس اور مرثیہ نگاری | حریت، کراچی، ص ۵، ۲۹ مارچ ۱۹۶۹ء |
| نیاز حسین | اختر علی منیر — شخصیت اور فن | کارواں، بہاولپور، ص ۶ تا ۷، مارچ ۱۹۶۹ء |
| نیاز حسین لکھویرا | تنہا انسان کی شاعری (عابد صدیقی) | کامران، سرگودھا، ص ۱۳ تا ۱۹، نمبر ۶، ۱۹۶۹ء |
| واحدی، ملا | حیرت شملوی | جنگ، کراچی، ص ۳، ۴ مارچ ۱۹۶۹ء |
| ” | محمد انوار الحق خیری | ” ” ” ۳، ۲۱ فروری ” |
| وحید قیصر ندوی، سید | قاضی نذر الاسلام | مشرق، کراچی، ص ۳، ۲۶ مئی ” |
| وزیر آغا، ڈاکٹر | آتش کی غزل | کامران، سرگودھا، ص ۵ تا ۱۴، نمبر ۳، ۴ ۱۹۶۹ء |
| ” | رحمان مذنب کے افسانے | اردو زبان، ” ” ۲۱ تا ۲۴ جنوری فروری ” |
| ” | رشید احمد صدیقی | ” ” ” ۱۶ تا ۱۸، اپریل ۱۹۶۹ء |
| ” | مولانا صلاح الدین احمدؒ | کوہستان، لاہور، ص جون ۱۹۶۹ء |
| وفا راشدی | انقلابی شاعر — نذر الاسلام | جنگ، کراچی، ص ۵، ۲۲ مئی ” |
| ہاشم رضا | حسرت موہانی | جام نو ” ” ۱۳ تا ۲۳، جون ” |
| ہلاکو بیگ، مرزا | مرزا ادیب کا فن | نیرنگ خیال، لاہور، ص ۹۲ تا ۱۱۰، سالنامہ ۱۹۶۹ء |

| | | |
|---|---|---|
| — | سراج الدین ظفر سے انٹرویو | حریت، کراچی، ص ۴ تا ۷، ۵ مارچ ۶۹ء |
| — | سوانحی اشارے [۱] | فنون، لاہور، ص ۱۰۳۰ تا ۱۰۴۰، جدید غزل نمبر ۶۹ء |

## سیاست داں و دیگر مشاہیر

| | | |
|---|---|---|
| ابو سلمان شاہجہاں پوری | مولانا عبید اللہ سندھی | چٹان، لاہور، ص ۱۹، ۳۱ مارچ ۶۹ء |
| احمد بشیر | مولانا حسرت موہانی (لاہور میں آخری قیام کی چند جھلکیاں) | امروز، لاہور، ص ۱۱، ۱۱ مئی ۶۹ء |
| احمد سعید | مولانا بشیر احمد عثمانی اور تحریک پاکستان | البلاغ، کراچی، ص ۵۹ تا ۶۵، مئی ء |
| اعجاز صدیقی | ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم | شاعر، بمبئی، ص ۸ تا ۱۰، مئی جون ۶۹ء |
| اوج، محمد حبیب اللہ | نواب بہادر یار جنگ | پاک جمہوریت، لاہور، ص ۱۱ تا ۱۳، جون ۶۹ء |
| بدر منیر | ٹیپو سلطان ہمہ صفت حکمراں | امروز، لاہور، ص ۶، ۴ مئی ۶۹ء |
| بشیر حسین جعفری | لائل پور کے نواب سردار خاں — انگریز کے ایک باغی سپاہی | حریت، کراچی، ص ۱۰، ۱۷ مارچ ۶۹ء |
| حسن یاسر | کارل مارکس اور پرودھنیس اسطورہ | چراغ راہ، ” ص ۲۴ تا ۳۲، جون ء |
| حمیدہ سلطان | لال قلعے کا آخری تاجدار — بہادر شاہ ظفر | حریت، کراچی، ص ۵، ۱۹ مئی ء |
| خالد اشرف | بلبل حریت مسیح الملک حکیم محمد اجمل خاں | المنبر، لائل پور، ص ۶، ۲۸ فروری ء |
| ” | جلالۃ الملک سعود بن عبد العزیز | ” ” ص ۷، ۱۱ اپریل ء |
| رفیق اویسی | سلطان ٹیپو | امروز، لاہور، ص ۵، ۴ مئی ء |
| روشن آرا | بالاکوٹ کا شہید (حضرت سید احمد بریلوی) | کتاب، لاہور، ص ۴۴ تا ۴۶، مارچ ء |
| سلیم تابانی | ٹیپو سلطان شہید | امروز، ” ص ۴، ۴ مئی ” |
| شفیع اختر، محمد | سید جمال الدین افغانی | فاران، کراچی، ص ۷ تا ۴۲، فروری ء |
| صبا اکبر آبادی | خاں صاحب — اکبر آباد کی ایک شخصیت | انجمن اسلامیہ میگزین، کراچی، ص ۴ تا ۸، مئی ۶۹ء |
| صدف، عظیم قادری | بہادر یار جنگ | اخبار جہاں، کراچی، ص ۱۳، ۲ جولائی ” |
| عبد الحامد بدایونی، مولانا | قائد اعظم کے ساتھی — نواب محمد اسماعیل خاں | جنگ، کراچی، ص ۵، ۲۸ جون ۶۹ء |
| عبد اللہ، ڈاکٹر سید | ڈاکٹر ذاکر حسین | چٹان، لاہور، ص ۶، ۱۷ مئی ” |
| عرشی ملسیانی | غم جاودانِ ذاکر | آج کل، دہلی، ص ۳۰ تا ۳۱، جون ء |

| | | |
|---|---|---|
| علاء الدین قریشی | تحریک آزادی کا ایک نڈر مجاہد۔ شہزادہ آزاد کمبر بالوی | جنگ، کراچی، ص ۷، ۳۰ جون ۶۹ء |
| علی جواد زیدی | دیدہ ور ذاکر | آج کل، دہلی، ص ۲۴ تا ۲۶، جون 〃 |
| عمر الٰہی | ذاکر صاحب | جنگ، کراچی، ص ۷، ۹ جون 〃 |
| کلیم الرحمان خاں شیروانی | نواب محمد اسماعیل خاں | 〃 〃 ۱۲، ۲۸ 〃 〃 |
| گوپال متل | لینن ۔ افسانہ اور حقیقت | تحریک، دہلی، ص ۳ تا ۸، مئی 〃 |
| مجیب، پروفیسر محمد | مہاتما گاندھی | جامعہ، 〃 ۲۲ تا ۲۹، اپریل 〃 |
| مجید نظامی | تفضل حسین مانک میاں | چٹان، لاہور، ص ۱۵، ۹ جون 〃 |
| محمد احسن، چوہدری | شہید صحافی ۔ حمید نظامی مرحوم[1] | قندیل، 〃 ۱۲ تا ۱۳، ۲۳ فروری 〃 |
| محمد حسین خاں زبیری | مولوی بشیر الدین | قومی زبان، کراچی، ص ۳۰ تا ۳۴، جون 〃 |
| ممتاز حسن | جنرل بخت خاں | حریت، کراچی، ص ۱۱ تا ۱۹، مئی 〃 |
| واحدی، ملا | ڈاکٹر ذاکر حسین | ہمدرد صحت، کراچی، ص ۱۱ تا ۱۴، جون 〃 |
| وسیع مظہر ندوی، مولانا | انور پاشا شہید | جنگ، کراچی، ص ۱۰، ۲۸ فروری 〃 |
| وقار اشدی | ٹیپو میر شہید | سیارہ ڈائجسٹ، لاہور، ص ۷۹ تا ۸۲، فروری ۶۹ء |
| — | حمید نظامی سے ایک ملاقات | چٹان، لاہور، ص ۱۱ تا ۱۴، ۱۹ مئی ۶۹ء |
| — | نواب سید محمد علی (شخصیات علی گڑھ) | تہذیب الاخلاق، لاہور، ص ۲۰ تا ۲۳، مارچ ۶۹ء |

## علما و صوفیا

| | | |
|---|---|---|
| احتشام احمد ندوی، ڈاکٹر سید | قدامہ بن جعفر | اردو ادب، علی گڑھ، ص ۳۴ تا ۴۴، نمبر ۴، ۶۹ء |
| 〃 | حضرت رابعہ قبطیہ آئینۂ تاریخ میں | صدق جدید، لکھنؤ، ص ۶ تا ۷، ۱۰ فروری ۶۹ء |
| احمد میاں گھیتی، قاری | مولانا احمد علی محدث سہارنپوری | پیام حق، کراچی، ص ۱۷ تا ۲۲، اپریل جنی 〃 |
| اختر راہی | شیخ احمد ملاجیون | البلاغ، 〃 ۳۹ تا ۴۵، اپریل 〃 |
| 〃 | قاضی محب اللہ بہاری | 〃 〃 ۳۴ تا ۴۴ مارچ 〃 |

---

[1] قندیل کا زیر نظر شمارہ حمید نظامی مرحوم کی یاد میں ہے اور اس میں ایم ایس ناز اور ظفر اعوان کے مقالے، ایڈیٹر قندیل شیر محمد اختر کا اداریہ شامل ہیں۔ بشیر حامد نے مرحوم کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| اختر راہی | مولانا عنایت احمد کاکوروی مصنف علم الصیغہ | البلاغ، کراچی، ص ۳۹ تا ۴۴، فروری ۱۹۶۹ء |
| اسرار بخاری، سید | حضرت مفتی محمد حسینؒ | کوہستان، لاہور، ص ۱، ۲۶ جون ″ |
| اکرام، ڈاکٹر شیخ محمد | علامہ شبلی نعمانی اور مغربی علوم سے استفادہ | المعارف، ″ ص ۳ تا ۱۴، اپریل ″ |
| ″ | مولانا محمد فاروق چڑیاکوٹی | ″ ″ ص ۵ تا ۱۵، مئی ″ |
| امیر الزماں کشمیری، مولانا | میر واعظ مولانا محمد یوسف شاہؒ | البلاغ، کراچی، ص ۳۵ تا ۴۵، فروری ″ |
| آباد شاہ پوری | امام اوزاعی ـ محدث، فقیہ، امام، مرد حق گوؒ | آئین، لاہور، ص ۱۸ تا ۲۰، ۷ جون ″ |
| ″ | تیغ و قلم کا دھنی (امام ابن تیمیہ) | ″ ″ ص ۱۴ تا ۱۷، ۱۸ فروری ″ |
| تقی عثمانی، محمد | مولانا شمس الحق فرید پوری | البلاغ، کراچی، ص ۵۱ تا ۵۳، مارچ ″ |
| جعفر پھلواروی، مولانا شاہ محمد | مولانا شبیر احمد عثمانی | المعارف، لاہور، ص ۳ تا ۱۲، جون ″ |
| حامد علی خاں، مولانا ڈاکٹر | مفتی قطب الدین تہروالی | الفاروق، رام پور، ص ۳۰ تا ۳۴، جنوری ″ |
| حسن الدین ہاشمی | امام اعظم ابو حنیفہؒ | مجلہ جامعہ اسلامیہ، لاہور، ص ۵ تا ۱۴، مارچ ۱۹۶۹ء |
| خالد محمود | حضرت شاہ ولی اللہ | کوہستان، لاہور، ص ۱، ۱۰ اپریل ″ |
| رفیع عثمانی، مولانا محمد | علم صرف کا مدون اول | البلاغ، کراچی، ص ۳۵ تا ۳۶، فروری ″ |
| ساحر، اے ایچ | خواجہ غلام فریدؒ | قندیل، لاہور، ص ۹، ۲۹ مارچ ″ |
| سرفراز احمد، سید | سید احمد شہید | مشرق، کراچی، ص ۳، ۱۰ مارچ ″ |
| شاہد | شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسماعیل | المنبر، لائل پور، ص ۱۲ تا ۱۸، ۲۱ و ۲۸ فروری ۱۹۶۹ء |
| شمس الحق افغانی | مقام امام بخاری | مجلہ جامعہ اسلامیہ، بہاول پور، ص ۱۸ تا ۳۴، مارچ ″ |
| طیب انصاری | معراج العاشقین کا مصنف | سب رس، حیدرآباد دکن، ص ۲۳ تا ۲۷، مارچ ″ |
| عبد الرشید نعمانی، مولانا محمد | امام ابو الحسن کبیر سندھی | مجلہ جامعہ اسلامیہ، بہاولپور، ص ۳۵ تا ۴۵، مارچ ″ |
| علی احمد خان | امیر خسرو ـ صاحب کمالات | امروز، لاہور، ص ۹، ۲ جولائی ۱۹۶۹ء |
| ماناں میاں قادری، شاہ | علمائے خلافت مولانا نثار احمد کان پوری و مولانا عبد الباری فرنگی محلی | پیام حق، کراچی، ص ۲۹ تا ۳۰، مارچ ۱۹۶۹ء |
| متین خطیب، مولانا محمد | مولانا محمد میاں رفیق شیخ الہندؒ | البلاغ، ″ ″ ص ۲۸ تا ۳۰، جون ″ |

۱؎ اس مضمون کی پہلی قسط اس سے پہلے شمارے میں شائع ہوئی ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| محمد اسحاق، مولانا | امام سفیان ثوری | المعارف، لاہور، ص ۱۱ تا ۲۳، اپریل ۱۹۷۵ء |
| " | " | " " ص ۳۰ تا ۴۸، مئی " |
| " | چند قرار | " " " ۲۵ تا ۳۰، مارچ " |
| محمد رفیق، مولانا | صحابہؓ میں حضرت معاویہؓ کا مقام | صحیفۂ اہل حدیث، کراچی، ص ۶ تا ۸، یکم مارچ " |
| " | " | " " ۳ تا ۱۲، ۱۶ جون " |
| محمد طفیل | امام محمد — اور ان کی فقہی خدمات | قندیل، لاہور، ص ۹، ۱۲ مئی ۱۹۷۵ء |
| محمد میاں صدیقی | ایک مجاہد بزرگ حضرت اخوند سواتی | شہاب، " ۶ تا ۷، ۱۵ اپریل " |
| محمد نافع، مولانا | سید احمد شاہ بخاری | الجامعہ محمدی شریف، ص ۸ تا ۱۵، مئی " |
| محمد نذیر کاکاخیل | شیخ محمد رشید رضا | فکر و نظر، اسلام آباد، ص ۸۸۹ تا ۹۰۸، جون ۱۹۷۵ء |
| محمد یحییٰ علیگ | بابا فرید شکر گنجؒ | تہذیب الاخلاق، لاہور، ص ۲۳ تا ۲۸، مئی " |
| نوشابہ صدیقی | مولوی ابو الحسن | جنگ، کراچی، ص ۱۱، ۱۰ جون ۱۹۷۵ء |
| واحدی، ملا | دلّی کے تین بہادر درویش[1] | حریت، " " ۳، ۱۱ فروری " |
| وشیرہ، پروفیسر امین اللہ | احمد ابن زیدون | المعارف، لاہور، ص ۱۱ تا ۲۴، مارچ " |
| " | " | " " " ۱۱ تا ۳۶، مئی " |
| یوسف سلیم چشتی، پروفیسر | حضرت ابو سعید خرازؒ | میثاق " " ۲۵ تا ۳۳، " " |
| " | سید الطائفہ حضرت جنیدؒ | " " " ۴۹ تا ۵۵، جون " |

## کتابیات اور کتب خانے

| | | |
|---|---|---|
| ابو سلمان شاہجہان پوری | نئے خزانے (جولائی ۱۹۷۳ء تا جنوری ۱۹۷۴ء کے رسائل کا اشاریہ قسط نمبر ۲) | قومی زبان، کراچی، ص ۴۹ تا ۱۱۰، اپریل ۱۹۷۵ء |
| " | نئے خزانے (جولائی ۱۹۷۳ء تا جنوری ۱۹۷۴ء کے رسائل کا اشاریہ قسط ۳) | " " " ۴۹ تا ۱۰۰، جون " |
| اشرف افغانی، عبد الحلیم | سابق صوبہ سرحد کے چند کتب خانے | المعارف، لاہور، ص ۴۷ تا ۵۲، " " |

---

[1] شاہ صابر حسین صابری، مولانا عبد السلام نیازی اور قاری ثناء اللہ پانی پتی۔

| | | |
|---|---|---|
| شفیق جالندھری | یہ عوامی لائبریریاں | قندیل، لاہور، ص ۱۲ تا ۱۳، ۲ / اپریل ۱۹۶۹ء |
| محمد سعید | لیاقت نیشنل لائبریری | مشرق، " " ۱۱، ۲ / اپریل " |
| میر، مشتاق علی | عہد بدھ شاہی کا کتب خانہ | قندیل، " " ۱۴، ۲۶ / فروری " |
| نارنگ، گوپی چند | ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کنیڈا کے کتب خانوں میں اردو مخطوطات | اردو ادب، علی گڑھ، ص ۸۹ تا ۹۸، نمبر ۲ ۱۹۶۸ء |

## مذہبیات

### اسلام اور معاشرت

| | | |
|---|---|---|
| سردار محمد | اسلام، سماجی تحفظ اور پاکستان | چراغ راہ، کراچی، ص ۱۹ تا ۲۴، فروری ۱۹۶۹ء |
| شہابی، مفتی انتظام اللہ | اسلامی معاشرت (۲) | انجمن اسلامیہ میگزین، ص ۲۸ تا ۵۵، مارچ " |
| عبداللہ المغربی، ڈاکٹر محمد | اسلامی ریاست کا تصور | زندگی، رام پور، ص ۹ تا ۱۹، مارچ ۱۹۶۹ء |
| منتخب الحق، مولانا سید | قرآن حکیم اور معاشرے کی بنیادیں | امام، کراچی، ص ۲۱ تا ۲۳، جنوری " |

### اسلام، سوشلزم، معاشیات وغیرہ

| | | |
|---|---|---|
| احمد سعید کاظمی، مولانا سید | اسلام اور سوشلزم | مجلہ جامعہ اسلامیہ، بہاول پور، ص ۵۳ تا ۵۵، مارچ ۱۹۶۹ء |
| احمد انس | اشتراکیت اور مذہب | چراغ راہ، کراچی، ص ۳۳ تا ۳۸، جون ۱۹۶۹ء |
| ادریس، مولوی محمد | موجودہ معاشی بحران | بینات، " " ۱۵ تا ۲۴، " " |
| اعجاز حسین | کیا اسلامی سوشلزم کی بنیاد قرآن کے فلسفۂ حیات پر ہے[1] | جنگ، کراچی، ص ۱۰، ۱۴ / فروری ۱۹۶۹ء |
| برق، غلام جیلانی | اسلام اور سوشلزم کا معاشی نظام | چٹان، لاہور، ص ۱۲ تا ۱۳، ۲۴ / مارچ " |
| جعفر شاہ پھلواروی، مولانا | عادلانہ نظام معاش | نیرنگ خیال، لاہور، ص ۵۷ تا ۱۱، سالنامہ ۱۹۶۹ء |
| خالد اشرف | سوشلزم اور اسلام | المنبر، لائل پور، ص ۵، ۲ / مئی ۱۹۶۹ء |
| سمیع الوری، خان زادہ | اسلام کا معاشی نظام | فاران، کراچی، ص ۵ تا ۲۴، جولا۔ |

[1] ڈاکٹر شوکت سبزواری کے مضمون کے جواب میں۔

| | | |
|---|---|---|
| شجاعت علی صدیقی | اسلام کا اقتصادی نظام اور سوشلزم | بینات، کراچی، ص ۵۵ تا ۶۲، مئی ۶۹ء |
| شوکت سبزواری، ڈاکٹر | اسلامی معاشیات کی روح ـ مساوات و اجتماعیت[1] | چٹان، لاہور، ص ۱۹ تا ۲۱، ۱۴ اپریل ، |
| " | اسلامی معاشیات اور بغیر محنت کے آمدنی[2] | حریت، کراچی، ص ۵، ۵ مئی ۶۹ء |
| فیض، فیض رسول | سوشلزم کیا ہے؟ | الجامعہ محمدی شریف، ص ۱ تا ۲۲، " " |
| کوکب صدیقی | سوشلزم، کسان اور زمین | ایشیا، لاہور، ص ۱۰ تا ۱۲، ۱۴ اپریل " |
| محمد شفیع، مولانا مفتی | معاشی مساوات کی حقیقت | البلاغ، کراچی، ص ۷ تا ۱۰، مئی " |
| محمد مبارک | سوشلزم کا معاشی نظام | بینات، " " ۲۷ تا ۳۵، " " |
| مقبول عالم، محمد | معاشی معیار زندگی از افادات شاہ ولی اللہؒ | میثاق، لاہور، ص ۲۹ تا ۳۲، " " |
| مہر محمد، مولوی | اسلام کا معاشی نظام | بینات، کراچی، ص ۸ تا ۱۲، " " |
| نجات اللہ صدیقی، ڈاکٹر | اسلام کا معاشی نظام | چراغ راہ، " ۵ تا ۲۰، " " |
| نعیم صدیقی | اسلامی معاشیات میں انفرادیت اور اجتماعیت (ڈاکٹر شوکت سبزواری کے جواب میں) | حریت، کراچی، ص ۳، ۱۹ مئی ۶۹ء |
| نور محمد اعظمی، مولانا | اسلام کے چند معاشی اصول | البلاغ، " " ۲۴ تا ۳۰، مئی " |
| " | اسلام کے چند معاشی اصول | " " " ۳۱ تا ۳۵، جون " |
| وحید الدین خاں | سوشلزم ـ چند اہم مباحث | چراغ راہ، " " ۳۲ تا ۵۲، مئی " |

## تصوف

| | | |
|---|---|---|
| محمد حسین خاں، حکیم | تصوف کیا ہے؟ | الفاروق، رام پور، ص ۲۲ تا ۲۶، جنوری ۶۹ء |
| یوسف سلیم چشتی | تاریخ تصوف اسلامی ـ حضرت حارث المحاسبی اور ان کی کتاب الرعایہ[3] | میثاق، لاہور، ص ۶۵ تا ۷۶، فروری ۶۹ء |

---

[1] اس مقالے کے رد میں چٹان کے بعد کے شماروں میں متعدد مضامین شائع ہوئے ہیں۔

[2] اس سلسلے میں شوکت سبزواری کے مضامین جولائی تک شائع ہوتے رہے اور اس بحث میں متعدد حضرات نے حصہ لیا۔

[3] دیگر اقساط کے لیے مارچ اور اپریل کے شمارے ملاحظہ ہوں۔

## تفسیر قرآن حکیم

| | | |
|---|---|---|
| احتشام الحق تھانوی، مولانا | درس قرآن ۔ البقرہ | جنگ، کراچی، ص ۵، ۸ رفروری ۱۹۶۹ء |
| " " | " " | " " " ۵، ۲۲ر " " |
| " " | " " [1] | " " " مارچ " |
| احمد خاں | الفلاز اور اس کی تفسیر معانی القرآن | فکر و نظر، اسلام آباد، ص ۹۰۸ تا ۹۱۹، جون ۱۹۶۹ء |
| احمد شاہ نورانی صدیقی، مولانا | تفسیر کلام پاک [2] | مشرق، لاہور، ص ۳، ۸ رمارچ ۱۹۶۹ء |
| امین احسن اصلاحی، مولانا | تدبر قرآن ۔ تفسیر سورۂ انعام [3] | میثاق، " " ۱۴ تا ۳۶، فروری " |
| سعید احمد اکبرآبادی، مولانا | تفسیر ماجدی حصہ اول | برہان، دہلی، ص ۲۰۷ تا ۲۱۰، مارچ " |
| علی نقی النقوی، علامہ | تفسیر قرآن | پیام عمل، لاہور، ص ۷ تا ۸، اپریل " |
| محمد شفیع، مولانا مفتی | معارف القرآن ۔ سورہ نحل [4] | البلاغ، کراچی، ص ۸ تا ۱۱، فروری " |
| محمد عتیق، مولانا مفتی ابوالقاسم | تفسیر سورۂ فاتحہ [5] | المجیب، پھلواری شریف پٹنہ، ص ۳۴ تا ۴۱، فروری ۱۹۶۹ء |
| مودودی، مولانا سید ابوالاعلیٰ | تفہیم القرآن ۔ المنافقون [6] | ترجمان القرآن، لاہور، ص ۱۰ تا ۱۴، مارچ " |
| وحید الدین احمد خاں، مولانا | اصول تفسیر | الفاروق، رام پور، ص ۵ تا ۷، جنوری ۱۹۶۹ء |

## دستور اور قانون

| | | |
|---|---|---|
| حسن یاسر | مصر میں دستوری ارتقا کا جائزہ | چراغ راہ، کراچی، ص ۱۶ تا ۹۹، فروری ۱۹۶۹ء |

---

[1] یہ سلسلہ مارچ ۱۹۶۹ء کی مندرجہ ذیل اشاعتوں میں ہے ۸، ۱۵، ۲۲، ۲۹ مارچ ۱۹۶۹ء ص ۵ ۔ یہ سلسلۂ تفسیر اب تک (۲۶ اکتوبر ۱۹۶۹ء تک) جاری ہے اور جمعہ ایڈیشن کے بجائے جمعرات کی اشاعت میں آتا ہے۔

[2] تفسیر قرآن مجید کا یہ سلسلہ اب تک جاری ہے اور ہر جمعہ کی اشاعت مشرق میں شائع ہوتا ہے۔

[3] دیگر اقساط کے لیے جون تک کے شمارے ملاحظہ ہوں۔

[4] تفسیر کلام پاک کا سلسلہ جاری ہے جون تک کے شمارے ملاحظہ ہوں۔

[5] دیگر اقساط کے لیے مئی تک کے شمارے ملاحظہ ہوں۔

[6] مئی سے سورہ تغابن کی تفسیر شروع ہوئی ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| عامر، ڈاکٹر عبدالعزیز | انسانی جان اور جسم کے خلاف جرائم کی سزا — اسلامی قانون میں | ترجمان القرآن، لاہور، ص ۳۰ تا ۵۲، اپریل ۱۹۶۹ء |
| " " | انسانی جان اور جسم کے خلاف جرائم کی سزا (۸) | " " " ۲۰ تا ۵۱، مئی " |
| کوکب، قاضی عبدالنبی | اسلامی قانون کے بعض امتیازات | ترجمان القرآن، لاہور، ص ۴۱ تا ۴۹، مارچ " |
| محمد اسد | اسلامی دستور اساسی | ساغر، کراچی، ص ۱۰ تا ۲۵، ۲۷ مارچ ۱۹۶۹ء |
| محمد اشرف ایم اے، مولانا | اسلام کا نظریہ عدل و سزا[1] | بینات، کراچی، ص ۳۰ تا ۴۴، فروری ۱۹۶۹ء |
| " " " | " " | " " " ۱۲ تا ۲۰، مارچ " |

## مسائل و مباحث

| | | |
|---|---|---|
| اسحاق النبی علوی | عہد رسالت کی توقیت، اور دو قومی نظریہ | الفاروق، رام پور، ص ۸ تا ۱۱، جنوری ۱۹۶۹ء |
| اشرف، حکیم عبدالرحیم | اسلام میں نبوت اور رسالت .... | المنبر، لائل پور، ص ۱۵ تا ۱۸، ۱۴ مارچ " |
| " " | ختم نبوت اور اس کے حدود و اطلاق | " " " ۸ تا ۲۶، ۹ مئی و ۱۳ جون " |
| " " | مسئلہ ختم نبوت علم و عقل کی روشنی میں | " " " ۳۵ تا ۳۸، ۱۳ جون " |
| " " | مسئلہ ختم نبوت[2] | " " " ۳۵ تا ۳۸، ۰ جنوری " |
| " " | منکرین ختم نبوت کے عقلی تقاضے[3] | " " " ۲۲ تا ۲۹، ۱۴ مارچ " |
| " " | نزول مسیح | " " " ۲۷ تا ۳۸، ۹ مئی " |
| اظہر، غلام حسین | فطرت انسانی قرآن و حدیث کی روشنی میں | زندگی، رام پور، ص ۳۸ تا ۴۵، فروری " |
| امین احسن اصلاحی، مولانا | اسلامی ریاست میں شخصی آزادی اور درخواست، فریاد اور اعتراض کا حق | میثاق، لاہور، ص ۳۳ تا ۴۸، جون ۱۹۶۹ء |
| آزاد، مولانا محمد فاروق | تاریخ اہل حدیث | صحیفہ اہل حدیث، کراچی، ص ۲۲ تا ۲۵، ۱۶ مئی ۱۹۶۹ء |
| " | " | " " ۱۳ تا ۱۵، ۷ رجب " |

---

[1] یہ مضمون صدق جدید لکھنؤ کے فروری تا اپریل کے نمبروں میں شائع ہوا ہے۔

[2] المنبر کی ماہانہ اشاعت اسی مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر تبصرے اور اس کے ما لہ و ما علیہ کے تذکرے کے لیے وقف ہے۔

[3] " " " " " " " " " "

| | | |
|---|---|---|
| بدرالدین قادری، مولانا | الوسیلۃ والتوسل | المجیب، پھلواری شریف پٹنہ، ص ۲۸ تا ۳۰، فروری ۱۹۶۸ء |
| ″ ″ | ″ | ″ ″ ″ ص ۲۴ تا ۲۵، مارچ ″ |
| پرویز | انقلاب محمدی | طلوع اسلام، لاہور، ص ۹ تا ۳۲، جون ″ |
| جعفر شاہ پھلواروی، مولانا محمد | قرآن کریم کی روشنی میں تعلیم کا تصور | انجمن اسلامیہ میگزین، کراچی، ص ۴۴ تا ۴۹، مارچ ″ |
| چودھری، نزاد ـ سی | اسلامی نظریۂ قومیت | طلوع اسلام، لاہور، ص ۴۵ تا ۵۰، جون ″ |
| حمیداللہ، ڈاکٹر محمد | جہاد اسلامی | صدق جدید، لکھنؤ، ص ۷، ۸، فروری ″ |
| حنیف ندوی، مولانا محمد | اساسیات اسلام[1] | المعارف، لاہور، ص فروری ″ |
| رفیع الدین، ڈاکٹر | اسلام اور سائنس | میثاق، ″ ″ ۶۷ تا ۷۵، مارچ ″ |
| صروج الحق، ڈاکٹر | قرآن مجید اور استدلال عقلی | فکر و نظر، اسلام آباد، ص ۳۵ تا ۴۹، جون ″ |
| شامی، المجیب الرحمان | اسوۂ حسنہ اور ہم (مولانا مفتی شفیع صاحب سے ایک ملاقات) | اخبار جہاں، کراچی، ص ۱۰ تا ۱۲، ۲۴ جون ″ |
| بشیر احمد عثمانی، مولانا | حب رسول کے تقاضے (غیر مطبوعہ شرح بخاری کا ایک باب) | شہاب، لاہور، ص ۵، ۱۸ اپریل ″ |
| ″ ″ | ″ ″ ″ | ″ ″ ″ ″ ص ۸ تا ۱۰، ۲۵ ″ ″ |
| شورش کاشمیری | پاکستان صرف اسلام کے لیے ہے[2] | چٹان، لاہور، ص ۲، ۲۸ اپریل ″ |
| ظفر احمد عثمانی | عصر حاضر میں مسافت قصر | البلاغ، کراچی، ص ۱۵ تا ۲۰، مارچ ″ |
| عبداللہ، ڈاکٹر سید | اسلام کا مقدمہ | سیارہ، لاہور، ص ۲۳ تا ۲۶، ″ ″ |
| عبدالوہاب خان | دین اور قوانین فطرت | بہائی میگزین، کراچی، ص ۸ تا ۱۰، اپریل ″ |
| عرفان احمد خان | عقلیت اور اسلام | زندگی، رام پور، ص ۹ تا ۱۶، مئی ″ |
| علی، سید محفوظ الحق | الہامی کتابوں کی وحدت | بہائی میگزین، کراچی، ص ۵ تا ۷، اپریل ″ |
| فضل حسین شاہ گیلانی | فلسفۂ حج | الجامعۃ المحمدی شریف، ص ۵۹ تا ۶۲، فروری مارچ ″ |
| فوزی فیض اللہ، محمد | | |
| عارفہ اقبال (مترجم) | شریعت اسلامی اور انسانی زندگی کے روحانی و مادی تقاضے | چراغ راہ، کراچی، ص ۳ تا ۷، فروری ۱۹۶۹ء |

---

[1] اس مضمون کی دیگر اقساط کے لیے المعارف کے جون ۱۹۶۸ء تک کے شمارے ملاحظہ ہوں۔

[2] یوم اقبال پر ایڈیٹر چٹان آغا شورش کاشمیری کی تقریر۔

| | | |
|---|---|---|
| محمد زکریا بنوری، مولانا | وحی، الہام، نبوت | بینات، کراچی، ص ۲۰ تا ۳۴، فروری ۱۹۶۹ء |
| 〃 | 〃 | 〃 〃 ص ۳۶ تا ۴۴، مئی 〃 |
| محمد یوسف گورایہ | اسلام کا مالیاتی نظام — زکوٰۃ کی ادائیگی اور وصولی کا مسئلہ | فکر و نظر، اسلام آباد، ص ۸۹۵ تا ۹۰۱، جون ۱۹۶۹ء |
| محمود بریلوی | اسلام اور مشرق بعید[۱] | اخبار جہاں، کراچی، ص ۱۰، ۱۲ مارچ 〃 |
| 〃 | اسلام افریقہ میں[۲] | 〃 〃 〃 ۱۶، ۹ اپریل 〃 |
| محمود حسین صدیقی، مولوی محمد | دین اور وحی | امام، کراچی، ص ۲۵ تا ۲۸، جنوری 〃 |
| مقبول عالم | مدنیت فاسدہ — افادات شاہ ولی اللہؒ | میثاق، لاہور، ص ۲۰ تا ۳۲، جون 〃 |
| مودودی، مولانا سید ابوالاعلیٰ | مغرب کو اسلام کی دعوت | ترجمان القرآن، لاہور، ص ۱۷ تا ۲۱، اپریل 〃 |
| مہر محمد، مولانا | اختلاف الحدیث | بینات، کراچی، ص ۴۴ تا ۵۳، فروری 〃 |
| 〃 | 〃 | 〃 〃 〃 ۲۹ تا ۳۵، مارچ 〃 |
| نعیم ندوی صدیقی، محمد | موطا امام مالک کے مستند ترین راوی یحییٰ مصمودی | فاران، 〃 〃 ۱۶ تا ۲۱، اپریل 〃 |
| یوسف سلیم چشتی | مذہب اور فلسفہ | میثاق، لاہور، 〃 ۵۷ تا ۶۲، 〃 〃 |

## دیگر مذاہب

| | | |
|---|---|---|
| اختر راہی | اناجیل اربعہ پر ایک نظر | زندگی، رام پور، ص ۴۴ تا ۵۳، فروری ۱۹۶۹ء |
| اسرار حسین صدیقی | تاریخ امر بہائی[۳] | بہائی میگزین، کراچی، ص ۱۰ تا ۱۴، 〃 〃 |
| علی، سید محفوظ الحق | مجبین امراللہ[۴] | 〃 〃 〃 ۱۱ تا ۱۲، مارچ 〃 |

---

[۱] یہ مضمون کی چوتھی قسط ہے اور یہ مضمون آگے جاری ہے۔

[۲] ایک طویل سلسلہ مضمون جس کی یہ دوسری قسط ہے دیگر اقساط کے لیے اخبار جہاں کی بعد کی اشاعتیں دیکھیے۔

[۳] یہ مضمون جنوری سے جون ۱۹۶۹ء تک کے نمبروں میں جاری ہے۔

[۴] اس مضمون کی پہلی اور دوسری قسطیں جنوری اور فروری ۱۹۶۹ء کے شماروں میں آچکی ہیں۔

# تاریخ لطیف

(دوسری قسط)

از
مہدی علی خاں ممتاز رامپوری

تعارف و تلخیص
اکبر علی خاں
رضا لائبریری رام پور

مگر پھر گن کے دو انگلی کے پورے کہا لکھ لے انھیں اے ہوش تو اب
رہیں باقی جو دو ان کا سر کبر جھکا دینا کہ ہو جائے مودب
۱۲۹۹ھ

ایضاً از مولوی عبدالحق حقی و صفا رامپوری:
سال فوت ان کا لکھا حقی نے بند ہستی سے اسیر اب چھوٹے [۳]
۱۲۹۹ھ

[۱۵]

تاریخ وفات راجہ اشفاق علی خاں ، اشفاق تخلص ، تعلقہ دار محمدی از مولوی مظفر حسین صاحب سلیمانی :
سدھارے جوانی میں ملک عدم کو ہوا آن سے آباد گلزار رضواں [۰]
مظفر جو تاریخ ہاتف سے پوچھی کہا : جنتی راجہ اشفاق‌علی خاں
۱۹۱۰ء

[۱۶]

تاریخ وفات نواب علی اصغر خاں مخاطب بہ ظفرالدولہ اصغر تخلص از مولوی عبدالغفور خاں نساخ :
شد بیک مصرع دو تاریخ ایں چنیں اے حال زار
شنبۂ ذی قعدہ ہے ہے ، آہ درد وہائے غم [۲]
۱۲۷۶ھ ۱۲۷۶ھ

[۱۷]

تاریخ وفات از محمد اطہر حسین جان اطہر ( گورکھ پوری ) خلف منشی اصغر حسین خاں صاحب گورکھ پوری از حافظ جلیل حسن صاحب جلیل شاگرد جناب امیر مینائی :
دھن گور سے صدا آئی قبر اطہر حسین خاں ہے یہ آہ [۲]
۱۳۳۲ھ

ایضاً از مولوی عبدالاحد صاحب شمشاد لکھنوی :
در جمادی اولیں بہ نہم شانزدہ سالہ در دو شنبہ بمرد [۰]
گفت شمشاد سال رحلت او جان بجاں آفریں خدای سپرد
۱۳۳۲ھ

[۱۸]

تاریخ وفات میاں اظہار شاعر از جناب تدبیر الدولہ بہادر امیر لکھنوی :
ہاتف غیب نے کہی تاریخ آج اظہار ہوگئے پنہاں [۲]
۱۲۷۰ھ

[۱۹]

تاریخ وفات میر الم صاحب دہلوی متخلص بہ الم از مولوی عبدالغفور خاں نساخ :
سال ترحیل الم چوں خواستم گفت ہاتف جاے او باغ نعیم [۱]
۱۲۹۳ھ

[۲۰]

تاریخ وفات سید آغا حسن امانت (لکھنوی) از جناب تدبیرالدولہ امیر لکھنوی :
تاریخ وفات او رقم کرد امیر جاں داد امانت بخدا بود امین [۳]
۱۲۷۵ء

ایضاً از سید حسن لطافت خلف آغا حسن امانت :
دریں فکر بودم کہ رضوان فردوس بگفتا : رسیدند امانت بجنت [۴]
۱۲۷۵ھ

ایضاً از میر وزیر نور تخلص لکھنوی :
بہر تاریخ وفاتش گفت نور حیف بودہ آہ شاعر بے مثال [۵]
۱۲۷۵ھ
[ سہ شنبہ ۲۸ جمادی‌الاول بوقت شام ]

[۲۱]

تاریخ وفات منشی امانت اللہ امانت شاگرد انسخ از سید عصمت‌اللہ انسخ :
پے لوح قبرش بہ صدرنج و غم زہی تربت نور کردم رقم [۳]
۱۲۸۰ بنگلہ

[۲۲]

تاریخ وفات سید محمد جعفر صاحب لکھنوی آمید تخلص از سید محمد اسماعیل حسین منیر شکوہ آبادی :
سال مرگش منیر محزوں گفت زیب قصر بہشت معنی باد [۵]
۱۲۹۳ھ

ایضاً از منیر :

منیر ہاتف غیبی نے یہ کہی تاریخ وہ عین خلد میں ہیں آل مصطفی کے پاس [۳]

۱۲۹۳ھ

[۲۳]

تاریخ وفات میاں امیر شاہ صاحب امیر تخلص رحمتہ اللہ علیہ خلف سید محمد جہانگیر شاہ مرید میاں غلام شاہ صاحب خلف ملا فقیر آخون صاحب قدس سرہ‌العزیز از جناب منشی امیر احمد امیر مینائی لکھنوی مرید میاں امیر شاہ صاحب :

سال رحلت فی‌البدیهه بر زبان آمد امیر صوفیؑ کامل جنید وقت شبلیؑ زمان [۲]

بعمر ۹۰ سال (دو شنبه ۲۳ صفر بوقت عصر) ۱۲۹۰ھ - ۲۱ اپریل ۱۸۷۳ء

[۲۴]

تاریخ های وفات جناب منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی لکھنوی شاگرد جناب امیر از حافظ علی احسن صاحب مارهروی شاگرد نواب فصیح الملک داغ دهلوی :

نوشت سال وصالش ز جوشی دل احسن بخورده جام اجل آن امیر مینائی [۱۶]

۱۳۱۸ھ

ایضاً از احسن :

احسن ز روے ابجد مصراع سال گوید بنهاد رو بمرقد منشی امیر احمد [۲]

۱۳۱۸ھ

ایضا از منشی سلامت الله صاحب اسلم کانپوری منیجر اخبار ملک و ملت :

گفت اسلم سال فوت اینک که شد گل چراغ شاعری هند آه [۳]

۱۹۰۰ء

ایضاً از سید امیرالله صاحب امیر مدراسی مقیم دکن :

باد از فضل حق بهشت نصیب بس همیں یک دعا بود زمنش [۷]

۱۳۱۸ھ

ایضاً از حکیم میر ضامن علی صاحب جلال لکھنوی :

جلال لکھ دو یہ تاریخ ان کی رحلت کی امیر ہوگئے صد وائے ایک مرد غریب [۲]

۱۹۰۰ء

از حافظ جلیل حسن صاحب جلیل مانک پوری شاگرد امیر مینائی لکھنوی
گئے جو خلد بریں کو تو اُن کی تربت پر جلیل نے یہ لکھا روضۂ جناب امیر [۲]
۱۳۱۸ھ

ایضاً از جلیل :
" امیر کشور معنی امیر مینائی " [۲]
۱۳۱۸ھ

ایضاً از نواب فصیح الملک بہادر داغ دہلوی :
ہے دعا بھی داغ کی تاریخ بھی قصر عالی پائے جنت میں امیر [۲]
( بعارضۂ حدت صفرا و تپ و اسہال و زحیر ) ۱۳۱۸ھ

ایضاً از داغ :
مل گئی تاریخ دل سے داغ کی آہ لطف شاعری جاتا رہا [۲]
۱۳۱۸ھ

ایضاً از داغ :
آج اس غم کی یہ کہی تاریخ اب ہوا دل پہ آہ داغِ امیر [۲]
۱۳۱۸ھ

ایضاً از حافظ ساجد علی کاکوروی ساجد تخلص وکیل عدالت صوبہ اورنگ آباد دکن :
کنوں آں کجا آب و تاب سخن کہ "شاعر جلیل المراتب" بمرد [۳]
۱۳۱۸ھ

ایضاً از منشی اودھم سنگھ سردار تخلص ساکن امرتسر شاگرد حکیم میر ضامن علی جلال لکھنوی :
لکھ دے اے سردار تاریخ وفات آگیا ہے نظم اردو کو زوال [۵]
۱۳۱۸ھ

ایضاً از مولوی سید ضامن حسین کنتوری ضامن تخلص فرزند حبیب کنتوری :
مومن پاک تھا وہ مرد بزرگ پنجتن کا تھا دل سے شیدائی
ہے تاریخ پانچ بار کہو ضامن "آہ امیر مینائی"
۱۹۰۰ء

ایضاً از ضامن:

اس کی رحلت کی کہی ہم نے یہ ضامن تاریخ      از سر حسرت و یاس و غم و شیون افسوس [۳]

۱۳۱۸ھ = ۳۰۰ + ۱۰۰۰ + ۱۰ + ۸

ایضاً از راجہ راجایان مہاراجہ کشن پرشاد بہادر شاد تخلص، پیشکار و وزیر افواج سرکار نظام شاگرد جناب آصف جاہ آصف تخلص:

گفتیم دعائیہ چنیں سال وفات      "محمود بود آخرت او" اے شاد [۲]

۱۳۱۸ھ

ایضاً از کلیم لکھنوی شاگرد لڈن صاحب خورشید:

لکھی ہجری کلیم نے تاریخ      "کی قضا کل من علیها فان" [۳]

۱۳۱۸ھ

ایضاً از کلیم:

سال ہجری بے تاریخ رقم کرد کلیم      چہ درآمد بجنان منشی امیر احمد امیر [۵]

(۱۳ اکتوبر ۱۹۰۰ء - ۱۷ جمادی الثانیہ شب یک شنبہ ۱۳۱۸ھ)

ایضاً از حکیم میر مہدی کمال لکھنوی خلف میر ضامن علی صاحب جلال:

ان کی رحلت کا سال لکھ دو کمال      "جل کے کیسی بجھی یہ شمع سخن" [۷]

۱۳۱۸ھ

ایضاً از سید مولوی رضی الدین حسن کیفی شاگرد سجاد علی شاہ صاحب میکش حیدر آبادی:

از سر یاس میں نے لکھا سال      بخشے اللہ امیر احمد کو [۲]

۱۳۱۸ھ = ۱۰ + ۱۳۰۸

ایضاً از شمس الحق سجاد علی شاہ صاحب میکش حیدر آبادی:

از سر جام فنا لکھ سال مرگ      "خلد میں آرام سے ہے اب امیر" [۵]

۱۳۱۸ھ = ۳ + ۱۳۱۵

ایضاً از میکش:

جس کو میکش ایک عالم کہتا تھا نازک خیال      "اٹھ گیا وہ شاعر صنعت طراز و بے بدل" [۳]

۱۹۰۰ء

ایضاً از منشی نوبت رائے نظر، سہتمم خدنگ نظر :
از سر آہ است ایں مصراع سال　　شاعر جادو بیان خاموش شد [۲]
۱۸۹۹ + ۱ = ۱۹۰۰ء

[۲۵]

تاریخ وفات نواب میر محمد حسین خان صاحب امیر تخلص از کلیم لکھنوی :
"ارم را چہ کافی شدہ زیب و زین　　ز نواب سید محمد حسین" [۳]
۱۳۲۲ھ

[۲۶]

تاریخ وفات میر ابو تراب انسخ تخلص از جناب اسیر لکھنوی :
تاریخ گفت دل تاریخ گفت دل　　"اے وای بوتراب اے وای بوتراب"
۱۲۸۰ھ

[۲۷]

تاریخ وفات انشا اللہ خان انشا تخلص از منشی بسنت سنگھ نشاط :
سال تاریخ او ز جان اجل　　"عرفی وقت بود انشا" گفت [۲]
ج = ۳　　۱۲۳۰ + ۳ = ۱۲۳۳ھ

ایضاً از مفتی غلام سرور :
از خرد آمد عیاں تاریخ او　　"عزت شعرائے هندی با کمال" [۲]
۱۲۲۱ھ

[۲۸]

تاریخ وفات میر ببر علی انیس ( مرثیہ گوی ) لکھنو از جناب اسیر لکھنوی :
در رامپور ایں خبر آمد اسیر گفت　　"خوش لہجہ آہ بلبل بزم عزا نماند" [۵]
(دسمبر ۱۸۷۴ء) ذی قعد ۱۲۹۱ھ

ایضاً از میر ضامن علی صاحب جلال لکھنوی :
سال مرگش نوشت کلک جلال　　مرد ہے ہے سخنورے کامل [۲]
۱۲۹۱ھ

ایضا از جلال:

جلال مصرع تاریخ انتقال نوشت    انیس بوده بعالم چه شاعر یکتا [۲]

۱۲۹۱ھ

ایضاً از شیخ محمد جان شاد لکھنوی:

بے سرو پا تمام شد بے سال    فرد مصرعه چه مرثیه چه سلام [۲]

۱۲۹۱ھ

ایضاً از سید حسن لطافت خلف سید آغا حسن امانت:

جو میر ببر علی هیں انیس ذاکر شاہ    وحید دعر سب اهل جهاں کے راس و رئیس
فصیح کامل و حسان وقت و دعبل عصر    جناں میں جا کے هوئے ساتھ حور عیں کے جلیس
قریب شام هوئے آہ وہ کمال تمام    اخیر چاند تھا گزرے تھے آہ دن انتیس
سنا یہ واقعہ جانکاہ جب کہی تاریخ    کہ جس میں لفظ هی آئے مناسب اور سلیس
بیان مصرع آخر کے اب صنایع هوں    بفکر سمجھیں لطافت جسے حساب نویس
شروع مصرع تاریخ جوکہ هیں دو حرف    مهینہ ایک هے اور دوسرا هے روز خمیس
سنین بھی هیں عیاں اس سے عیسوی هجری    جو بینات و زبر هوں رقم بطور نفیس
وہ مرثیے نہ وہ پڑھنا نہ وہ بڑے مجمع    اداس مجلس ماتم هے سامعیں دس بیس
عجیب مصرع تاریخ هے ملا یکتا    یہ پنجتن کا هے نوحہ انیس هائے انیس [۹]

۱۲۹۱ھ

(۹ دسمبر ۱۸۷۴ء چار شنبہ - ۲۹ شوال)

ایضاً از میر وزیر نور تخلص:

نور بهر سال هاتف زد ندا    مرثیه گو پاک طینت آہ بود [۹]

۱۲۹۱ھ

[۲۹]

تاریخ وفات مرزا (محمد جعفر) اوج صاحب خلف مرزا دبیر صاحب از نواب سید محمد جعفر علی خاں صاحب شمس آبادی جعفر تخلص:

۳۵۳+۹۲+۱۰+۳۹+۱۰۰+۳۵۰+۳۹۰

چشم انصاف سے اے معترض ذکر حسین    قصر فردوس میں دیکھ اوج محمد جعفر
بلبل سدرہ مورخ سے هے یوں گرم سخن    تیرے همنام کی تاریخ هے سب سے بہتر [ع]

۱۳۳۴ھ + ۱ = ۱۳۳۵ھ

ایضاً از سید شفاالحسین موجؔ تخلص رئیس زید پور ضلع باره بنکی :

رقم زد موج بہر سال رحلت  بگو سہ بار اوج صدر عالم [۳]

۱۳۳۵ھ

ایضاً از مرزا هادی صاحب هادی تخلص :

کلک شیون زائے هادی سال تاریخش نوشت  منبر بزم ذبیح الکربلا بے اوج (۱) شد [۲]

۱۳۴۵ — ۱۰ = ۱۳۳۵ھ

[۳۰]

تاریخ وفات ابوالنصر سلیمان جاه نصیرالدین حیدر بادشاه تخلص، دومین بادشاه ملک اوده خلف غازی‌الدین حیدر بهادر از فیض شاگرد مرزا قتیل لکھنوی :

هاتفے گفت از سر افسوس  بارم رفت بادشاه اوده [۲]

۱۲۵۳ھ

[۳۱]

تاریخ وفات شیخ امداد علی بحر (لکھنوی) از جناب اسیر لکھنوی :

ساختم فکر بتاریخ وفاتش چو اسیر  گفت دل: بحر بیک موج بکوثر برسید [۲]

۱۲۹۰ھ

ایضاً از شیخ محمد جان شاد لکھنوی :

مہملہ لے کے حرف مصرع بحر  بحر کے یوں سینں شاد لکھو
چھہ دهائی ہے جو پڑھیں آحاد  ضرب وہ سات پانچ میں کرلو
هوچکیں ضرب حب وہ سات اعداد  سیکڑے پھر سہ چند کیجیے تو
رحلت بحر کی یہ ہو تاریخ  آشنا تھا غریق رحمت ہو [۳]

۱۲۹۰ھ

[۳۲]

تاریخ وفات برشته از منشی لال چند انس لکھنوی :

بودم در فکر بہر تاریخ وفات  ''صد وائے برشته مرد'' کلکم بنوشت [۲]

۱۲۶۲ھ

---

۱- اوج کا عدد نکل جانے سے تاریخی ماده نکلتا ہے۔  (حاشیه مخطوطه)

[۳۳]

تاریخ رحلت (فتح الدولہ) مرزا محمد رضا خاں (بہادر) برق لکھنوی (شاگرد ناسخ)
از منشی اسماعیل حسین منیر :

منیر انشا نمودہ سال مرگش فزودہ برق زیب ابر رحمت [۲]
۱۲۷۳ھ

ایضاً از میر وزیر نور شاگرد برق :

بہر سال فوت ہاتف زد ندا شاعر بے مثل بودہ حیف آہ [۳]
۱۲۷۳ھ

ایضاً نیاز احمد خاں ہوش بریلوی :

ہاتف نے ان کے مرتے ہی اے ہوش بہر سال
"وہ خرمن کلام پہ بجلی گری کہا" [۲]
۱۲۷۳ھ

[۳۴]

تاریخ وفات میر بادشاہ علی بقا تخلص خلف میر وزیر صبا از سید امیر حسن فروغ لکھنوی مقیم حیدرآباد دکن :

بگو فروغ سن فوت حضرت استاد بقا فنا شد و باقی ست نام وے ز کلام [۹]
۱۳۲۲ھ

ایضاً از کلیم لکھنوی :

کلیم از پے سال فوتش بہ ہجری بگو فی الحقیقت بقا ہم فنا شد
۱۳۲۲ھ

[۳۵]

تاریخ وفات منشی خواجہ غلام غوث صاحب خاں بہادر ذوالقدر بے خبر تخلص، میر منشی لفٹنٹی از شاہ محمد شفیع صاحب پیرزادہ صفی پور ضلع اوناؤ قیس تخلص :

چوں رفت خود بپای ادب قیس گفت سال تحت لوائے احمد صاحب لوا رسید [۲]
۱۸ شوال ۱۳۲۲ھ

[۳۶]

تاریخ وفات شیخ علی بخش صاحب بیمار تخلص از میر عابد حسین صاحب اوج رامپوری

خلف میر احمد علی صاحب رسا :

رفیقے بپرسید اے اوج سال بگفتم "علی بخش بیمار آہ" [۲]

[ رامپور بعمر ۶۷ سال ۲۳ ربیع الاول (ی) ] ۱۲۷۱ھ

[۳۸]

تاریخ وفات کنور جسونت سنگھ پروانہ پسر راجہ بینی ( پرشاد ) بہادر از ناسخ :

تاریخ چنیں رقم نمودم ناسخ "پروانہ بمرد شمع ہم واے بمرد" [۲]

۱۲۲۸ھ

[۳۹]

تاریخ وفات نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ کراؤن آف انڈیا رئیسہ دلاور اعظم طبقہ اعلای ستارہ ہند والیہ ملک بھوپال تخلص تاجور و شیریں از مولوی علاالدین جلال آبادی فرخ تخلص استاد نواب احتشام الملک عالی جاہ سلطان دولھا بہادر :

فرخ بسال رحلت او ابں دعا بخواند "شاہ جہاں بخلد ابد باد و ارجمند" [۲]

( ۱۶ جون ۱۹۰۱ع ) ۱۳۱۹ھ

[۴۰]

تاریخ وفات مرزا جان تپش تخلص از میر غلام حسین شایق :

ناگہ صداۓ زد با درد و بکا ہاتف "حالا بکسوف آمد ماہ سخن اردو" [۳]

۱۲۶۷ھ

[۴۱]

تاریخ وفات میر حسین تسکین دھلوی از نواب غلام حسین صاحب رئیس شاہ جہاں پور حسین تخلص صاحب دواوین :

مردنش انداختہ احباب را در اضطراب * "آہ تسکیں رفت از دل" سال تاریخش بود

[ بمقام رامپور بعمر ۵۰ سال ۱۷ شوال (ی) ] ۱۲۶۸ھ

[۴۲]

تاریخ بابت وفات مرزا زین العابدین خاں عارف و میر حسین تسکین و حکیم مومن خاں مومن از مرزا قربان علی بیگ سالک دھلوی شاگرد غالب :

۱۳۶ ۵۴۰ ۳۵۱ ۲۴۱
کہا دل نے کہ داخل ہو گئے سب "ارم میں عارف و تسکین و مومن" [۳]
۱۲۶۸ھ

[۴۳]

تاریخ وفات منشی امیر اللہ صاحب تسلیم لکھنوی از محمد شریف خاں آزاد مہتمم جلوۂ یار شہر میرٹھ :
رقم تاریخ رحلت کرد آزاد "مکان زیب گلشن در جناں یافت" [۳]
(بعمر ۱۰۳ سال بوقت ۵ بجے شام بمقام لکھنو یک شنبہ ۲۸ جمادی الاول ۱۳۲۹ھ
۲۸ مطابق مئی ۱۹۱۱ء)
ایضاً از منشی عاشق حسین بزم :
ہائے دنیا سے اٹھ گیا اے بزم "شاعر خوش کلام فرد جہاں" [۳]
۱۹۱۱ء
ایضاً از سید قدرت علی قدرت شاگرد میاں امیر اللہ تسلیم لکھنوی :
کہا رو کے قدرت یہ میں نے وہیں "گئے باغ عالم سے وہ کامیاب" [۹]
۱۳۲۹ھ
ایضاً از شاد میرٹھی :
ہے دعا شاد کی تہ دل سے داخل خلد ہو الٰہی اب [۲]
۱۳۲۹ھ

[۴۴]

تاریخ وفات منشی انوار حسین صاحب تسلیم سہسوانی از سید فرید احمد وفا مرادآبادی :
کہتے تھے وہ مرتے دم کہ یارب تسلیم کو آج بخش دے تو [۱۲]
(بمقام مراد آباد ۲۳ مئی) ۱۸۹۲ء
ایضاً از وفا در صنعت توشیح :
سر این پنج بہم کردہ نوشت "قلق ورنج و غم و حیف و اَلم" [۲]
(دو شنبہ ۱۹ شوال) ۱۳۰۹ھ

[۴۵]

تاریخ وفات نواب شبیر علی خاں تنہا تخلص رئیس اعظم مراد آباد از سید فرید احمد

وفا مراد آبادی :

روتا ہوں وفا بہ پڑھ کے مصرع تنہا نہیں ، لطف شاعری گیا [۳]

۱۸۹۲ء

[۴۶]

تاریخ وفات شاہزادہ بشیرالدین توفیق تخلص ابن شاہزادہ شکر اللہ ابن ٹیپو سلطان از عبد الغفور خان نساخ ساکن کلکتہ :

سال ترحیلش کہ اے نساخ جستم ناگہاں ''رونق فردوس توفیق'' از فلک گفتا سروش [۲]

۱۳۰۳ھ

[۴۷]

تاریخ وفات خواجہ حسن ثابت سوداگر از شیخ امام بخش ناسخ :

ناسخ سال وفاتش گفت ''خواجہ حسن مردہ امروز'' [۲]

۱۲۳۶ھ

[۴۸]

تاریخ وفات نواب شہاب الدین احمد خان بہادر ثاقب تخلص رئیس دھلی خلف نواب ضیا الدین احمد خان بہادر نیر تخلص ، از نساخ :

سال لکھا خامے نے وائے ''حیف شہاب ثاقب نیر'' [۲]

۱۲۶۹ + ۱۷ = ۱۲۸۶ھ

ایضاً از میرزا قربان علی بیگ سالک دھلوی :

تاریخ وفات او چنیں سالکؔ گفت ''روز ششم مہ محرم صد آہ'' [۲]

۱۲۸۶ھ

[۴۹]

تاریخ وفات میر کاظم علی ثامن تخلص برادر خورد میر ضامن علی جلال ، از جلال :

لکھا سال رحلت جلال حزیں نے '' جواں مرگئے میر ثامن علی آہ'' [۲]

۱۲۹۷ھ

[۵۰]

تاریخ وفات سید مہدی صاحب جدید تخلص برادر رشید (صاحب) نواسہ میر انیس

از مرزا احمد هادی عزیز لکھنوی :

ملہم غیبی بی تاریخ او گفت از عزیز     " زیب مجلس رفت از دنیا بھنگام شباب " [۰]

۱۳۲۸ھ

[۵۱]

تاریخ وفات قلندر بخش جرأت تخلص (دھلوی) از شیخ امام بخش ناسخ لکھنوی:

مصرع تاریخ ناسخ نے کہا     " ھائے هندستان کا شاعر موا " [۲]

۱۲۲۵ھ

ایضاً از مولوی عبد الغفور خاں نساخ:

ہے فوت قلندر بخش میں نے     کہی تاریخ " جرأت و اے جرأت " [۱]

۱۲۲۵ھ

[۵۲]

تاریخ وفات مرزا محمد عباس علی خاں صاحب جگر تخلص خلف آغائی صاحب ناظم (لکھنوی) از صفی لکھنوی :

صفی آنکھوں میں ہے جہاں تاریک     " ھائے گل ہو گیا چراغ اودھ " [۰]

۱۳۲۸ھ

ایضاً از عزیز لکھنوی:

گفتم ابی مصرع تاریخ به انداز سجع     " رفته در بزم جناں نزد محمد عباس "

۱۳۲۸ھ

ایضاً از مرزا کاظم حسین صاحب محشر :

[۰] سال تاریخ رقم زد محشر     رفت عباس حزیں پیش حسین

۱۳۲۸ھ

ایضاً از نواب سید محمد جعفر خاں بہادر جعفر تخلص رئیس شمس آباد :

رونق بزم عزا اٹھ گیا افسوس     " مجلس شاہ ہے عباس سے خالی ہے ہے "

۱۳۲۸ھ

[۵۳]

تاریخ وفات میر ضامن علی صاحب جلال لکھنوی (شاگرد رشک) از حافظ علی احسن صاحب احسن مارہروی شاگرد نواب فصیح الملک داغ دھلوی :

تاریخ انتقال کہوں احسن اور کیا ''ہے کس سخن سے مردہ وصال جلال ہے'' [۱۳]
[ ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۹ لکھنؤ (ک) ] ۱۳۲۷ھ

ایضاً از احسن :

تاریخ سن کے مطمئن احسن نہ کیوں ہوں سب ''ضامن علی ہوا ہے عدم میں جلال کا'' [۹]
۱۳۲۷ھ

ایضاً از سیف شاہ جہاں پوری :

گفت سال وفات سیف حزیں ''ہائے ضامن علی جلال بمرد'' [۲]
۱۳۲۷ھ

ایضاً از مولوی عبدالحق صفا رام پوری :

اے صفا اندوھگیں تو مصرع سال وفات لکھ ''آنھے سر آمد اھل کمال اوستاد آہ'' [۲]
۱۳۲۷ھ

ایضاً از سید تجمل حسین جلال پوری تجمل تخلص مقیم بمبئی :

تازہ یہ اور دل کو تجمل ہوا قلق ''آخر جہان میں نر ہے اک جلال بھی'' [۲]
۱۳۲۷ھ

ایضاً از حکیم میر مہدی کمال خلف حضرت جلال :

کمال آنکھوں سے پنہاں ھیں جلال آج ''چھپا ہے شاعری کا مہر تاباں'' [۳]
( بروز چہار شنبہ ۴ شوال ) ۱۳۲۷ھ

ایضاً از کمال :

کمال زار نے جب فکر کی تاریخ رحلت کی صدا آئی ''چھپا ہے ماہ تابان سخن کیسا'' [۱۲]
۱۳۲۷ھ

[۵۴]

تاریخ وفات مولوی جمیل الدین جمیل تخلص فرخ آبادی از نواب نیاز احمد خاں ہوش بریلوی :

کہا با دل ہوش رضوان نے تب که افزوں ہوئی زینت خلد آج [۲]
۱۲۹۷ھ ۶

[۵۵]

تاریخ وفات حکیم محمد محسن علی خاں جوش بریلوی از نواب نیاز احمد خاں ہوش بریلوی :

ہوے تیغ فرقت سے بے سر مع جود   " طبابت ، سخن ، خلق ورحم ونکوئی   [۲]
۱۲۷۹ھ

[۵۶]

تاریخ وفات منشی جواہر سنگھ جوہر لکھنوی از راجہ عنایت سنگھ :
تاریخ وفاتش در ہجری چوں جست عنایت ملہم غیب
" جوہر بسواری اسپ اجل شد سوے ارم صد آہ " بگفت   [۲]
( چارم محرم )   ۱۳۱۱ھ

[۵۷]

تاریخ وفات منشی جواہر سنگھ جوہر از راجہ عنایت سنگھ :
. جوہر کا جو سال وفات لکھا دل ہائے عنایت کا ٹوٹا
" شمشیر زبان آرائی کا لو مٹ گیا جوہر آہ و الم "   [۱۲]
۱۹۵۰ بکرمی

[۵۸]

تاریخ وفات مرزا جہاندار شاہ ولیعہد شاہ عالم بادشاہ متخلص بہ جہاندار از نساخ :
سال فوتش چو من طلب کردم   " رضی اللہ عنہ " گفت سروش   [۲]
۱۲۰۱ھ

[۵۹]

تاریخ وفات خواجہ الطاف حسین حالی شمس العلما مرحوم از مرزا دولہ جالب دہلوی یادگار مرزا نوشہ صاحب غالب :
کس چو پرسد سال تاریخ وفاتش حالیا   گویمش "حالی گزشت از دور گردون جہاں" [۲]
( ۳ دسمبر ۱۹۱۴ - ۱۱ صفر )   ۱۳۳۳ھ

[۶۰]

تاریخ وفات مولوی حامد علی خاں صاحب حامد امروہوی بیرسٹرایٹ لا لکھنو از محمد غافر حسین سرسوی مفتون :
کہو یوں مصرع تاریخ مفتوں   " بسے فردوس میں حامد علی خاں "   [۱۱]
( ۱۱ ستمبر ۱۹۱۸ء )   ۱۳۳۶ھ

[۶۱]

تاریخ وفات مرزا جعفر علی حسرت لکھنوی از مولوی عبد الغفور خاں نساخ :
بهر سال فوت حسرت هاتفم "مرد ہے ہے، میرزا حسرت" بگفت [۱]
۱۲۰۰ھ

[۶۲]

تاریخ وفات میر حسن صاحب مثنوی از میاں مصحفی :
بسکہ شیریں بود نطقش مصحفی "شاعر شیریں زباں" تاریخ یافت [۲]
۱۲۰۱ھ

[۶۳]

تاریخ وفات نواب غلام حسین خاں صاحب شاہ جہاں پوری حسین تخلص از حافظ بدھن خاں صاحب تایب :
اندھیر ہے جہاں میں وفات حسین سے هاتف نے یوں کہا کہ "ہوا گل چراغ ہے" [۲]
۱۲۸۱ھ

ایضاً از نواب عبد العزیز خاں صاحب عزیز بریلوی :
جستم چو سال فوت او برخواند هاتف مصرعی
" پرواز کردہ از چمن آن عندلیب بوستان " [۲]
۱۲۸۱ھ

[۶۴]

تاریخ وفات آغا محمد حسین صاحب کمبھاچی ، صاحب عذب البیان، حسین تخلص ، از جناب امیر لکھنوی :
سال تاریخ فوت گفت امیر " ہائے دیندار و ذاکر و عابد " [۲]
۱۲۹۰ھ

[۶۵]

تاریخ وفات حکیم مرزا باقر ، حشم تخلص شاگرد ناسخ ، از میر وزیر نور :
دل سر آہے کشیدہ بہر سال گفت " مرزا باقر شیریں مقال" [۳]
( بست و چارم ماہ صیام ) ۱۲۹۱ھ